

# الفتح

ہفت روزہ

کراچی

جلد: ۱ — شماره: ۴۳

۱۱-۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء

نگران

شوکت صدیقی — محمود شام

✱

مدیر

ارشاد رُو

✱

معاونین خصوصی

ابراہیم جلیس — منہاج برنا

افضل صدیقی — ایم کے خجوعہ

✱

نائب مدیران

اشرف شاد — وہاب صدیقی

عکاس: الطاف رانا آرٹ: غلام نبی نرئی

بدل اشتراک فی پچھ سالانہ ششماہی

۵۰ پیسے ۷۵ روپے ۱۳ روپے ۱۶ روپے

بھرتی کویت ۹۰ روپے

دوبئی قطر ۵۰ روپے

سعودی عرب ۱۵ روپے

انگلنڈ ۶ روپے

مقام اشاعت

دفتر بہت روزہ الفتح ۷۰، ڈی نوری کمرشل ایریا

پلی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ این۔ کراچی — ۲۹  
ایڈیٹر: پبلشر ارشد داؤد۔ مبلط: حق آمنت بریں، بلاق آباد، کراچی

## ہم مذمت کرتے ہیں

مذمت کرتے ہیں۔ اُن افراد اور سیاسی جماعتوں کی جن کے اقدامات کی وجہ سے ہمارا وطن اس وقت اپنی تاریخ کے تاریک ترین دور سے گزر رہا ہے ہم مذمت کرتے ہیں۔ اُن افراد اور سیاسی جماعتوں کی جن کی وجہ سے اب پاک افواج کی وہ گولیاں۔ جو وطن عزیز کے دشمنوں کے سینوں میں پیوست ہوئی ہیں آج اپنے ہی ہم وطن بھتیجے مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں پر چل رہی ہیں اپنے ہی وطن کی شاہراہوں پر اپنے ہی ہم وطنوں کا خون پکھڑ رہا ہے۔ یہ خون کب تک بہتا رہے گا۔ یہ لہو کب تک سرخوں کو رنگین کرتا رہے گا۔ ہم مذمت کرتے ہیں۔ اکثریتی، اقلیتی جماعت یا کسی اور طاقت کی آمریت کی ہم صحت عوام کی آمریت کے قائل ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں۔ اُن افراد اور سیاسی جماعتوں کی۔ جو وطن عزیز کے کسی بھی حصے پر دہاں کے باشندوں کی مرضی کے خلاف اپنے فیصلے کو ٹھونٹا جاتی ہیں ہم مذمت کرتے ہیں۔ اُن تمام سازشوں کی جو عوام کو اقتدار منتقل کرنے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں۔ اُن تمام افراد اور سیاسی جماعتوں کی۔ جو امریکی رُوسی سامراج کے ساتھ ساز باز کر کے ملک کو پانچ خود مختار ریاستوں میں بانٹ دینا چاہتی ہیں۔ ہم مذمت کرتے ہیں۔ امریکہ، روس اور بھارت کی جو پاکستان کے معاملات میں مداخلت کر کے یہاں کے سرمایہ داروں اور دوسری طاقتوں کے ساتھ مل کر عوام کے ساتھ سازشیں کر رہے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں۔ اُن وطن دشمن عناصر کی۔ جو سب سے عجیب کشمکش کا سہارا لے کر وطن کے خلاف سازشوں اور وطن میں نفرت پھیلانے کا مذموم کاروبار کر رہے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں۔ اُن تمام اخبارات و رسائل کی۔ جو عوام کو حقائق سے بے خبر کر کے امریکی منادات کی ترجمانی کرتے ہوئے سارے بحران کی ذمہ داری مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی پر ڈال رہے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں۔ اخبارات اور خبروں پر پابندیوں کی۔ جن کے باعث اخبارات عوام تک صحیح خبریں نہیں پہنچا سکتے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں۔ اُن طاقتوں کی۔ جو عوام، مزدوروں، کسانوں، اور طالب علموں کے حقوق خصب کر کے اپنی آمریت قائم رکھنا چاہتی ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں۔ مغربی پاکستان کے اُن سیاسی رہنماؤں کی۔ جو مشرقی پاکستان میں کسانوں، مزدوروں اور طالب علموں پر ظلم و تشدد کے خلاف آواز بلند نہیں کر رہے ہیں۔

ہم مذمت کرتے ہیں۔ مروجہ پاکستان کے اُن سیاسی رہنماؤں کی جو امریکی سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کے ہاتھوں میں کھیتے ہوئے ملک میں نفاق کے بیج بوری رہے ہیں اور مشرقی پاکستان کو آئینی طور پر علیحدہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔



نکات کے سلسلے میں گزشتہ پندرہ دنوں میں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے درمیان جو چھ نکاتی "ٹورنامنٹ" منعقد ہو چکا ہے اور دستور سازی اور قیام جمہوریت کے مراحل جس فوج سے قطل کاٹنا شروع کیے ہیں اس کو یاد کیجئے تو اب چھ نکات کے نام ہی سے ڈر لگتا ہے۔ اور کہیں ایسا نہ ہو جائے۔ کہیں ویسا نہ ہو جائے" والی کیفیت پھر سے عکس کر آئے۔



## شیخ صاحب! نکات میں ترمیم کرنا پڑے گی

### پروفیسر عتیق احمد

دستور سے ملنے کا ہے جس میں سربراہ داروں اور جاگیر داروں کا سازشی لیٹر اگر وہ صرف عوامی اتصال کے قابل ذرہ کے بلکہ ان کے اثاثوں کو قوی ملکیت میں لے کر ان کے ماضی کی سیاہ کرتوتوں کا عوامی موازنہ بھی ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں مشرقی پاکستان کی تاریخی سو فیصد ہج ہے کہ مشرقی پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے والے صرف کرنے صرف وہاں کے عوام کا خون چرسا ہے بلکہ مغربی پاکستان کو سرمایہ بھی منتقل کیا ہے۔ اور اس کا سبب باب چہمیں سے اس ایک نکتہ میں موجود ہے۔

"ہمارے ملک میں ایک ہی کرنسی کی صورت میں ایسا آئینی تحفظ کو سرمایہ مشرقی پاکستان منتقل نہ کیا جائے" آئندہ کے لئے یہ تحفظ یقینی طور پر دستور میں ملح پرو ضروری ہے، لیکن اگرچہ نکاتی دستور ہر پاکستانی کے مفادات کے تحفظ کے لئے تیار ہے اور صرف مشرقی پاکستان کے باشندوں کے لئے نہیں اور کسی کو اس میں جب بھی نہیں ہونا چاہئے، تو دستور میں یہ تحفظ ہی ضروری ہے کہ

"قوی یکیت میں لینے سے پہلے مغربی پاکستان میں

امدادی قرضے چکانا بھی تو ہر حال کسی نہ کسی کا فرض ہوگا

چھ نکاتی دستور یہ فرض کسی کو سونپنا چاہتا ہے۔

محکم سرمایہ کاری کسی شکل میں بھی مشرقی پاکستان منتقل نہیں کی جائے گی۔ یا ماضی کی بنیاد پر امتیازی کارروائی کے تحت مغربی پاکستان کا سرمایہ مشرقی پاکستان منتقل نہیں کیا جائے گا۔

بظاہر اس دوسری یقین دہانی کا مطالبہ خاصا مضحکہ خیز نظر آتا ہے لیکن اگر تحفظات ہی دستور کی بنیاد ٹھہرتے ہیں تو اس تحفظ کی گنجائش نکات ہی ضروری

کے امتیازی منشور سے ہم آہنگ ہو۔ پیپلز پارٹی کے امتیازی منشور پر بنیاد ہو۔ اس کا عدم وجود برابر ہوگا۔ آئیے اب ان دو عوامی تقاضوں کو چھ نکات پر بننے والے دستور کی روشنی میں دیکھیں۔

چھ نکاتی پروگرام اپنی سیاسی بنیاد میں صرف وفاقی پارلیمانی طور پر حکومت کی نظامی کرتا ہے۔ یہ وفاقی نظام دو مقصد پر مشتمل ہوگا یا ایک پر؟ چھ نکاتی پروگرام اس بارے میں خاموش ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ چھ نکاتی پروگرام کے مصنف جناب شیخ صاحب نے اس بارے میں اپنی رستے کا اظہار کر دیا ہے۔ چھ نکاتی دستور ایک وفاقی نظام کی اجازت دیتا ہے۔ تاہم ملکی طور پر یہ ماننا چاہیے کہ اگر عہدہ دستور ایک صنعت مزاج سیاسی جمہوریت کا آغاز کرنے کی ضمانت نہیں دے گا تو اس کے منئے حدودی اکثریت کی بنا پر حدودی اقلیت کے اقتدار کی اجازت دستور میں طور پر دینے کے مترادف ہوگی۔ لہذا وہ دو مقصد پر مشتمل وفاقی

یہ چھ نکات اپنی جگہ کیا ہیں اور ان پر بنیاد مشرقی اور مغربی پاکستان کا سیاسی اور اقتصادی نظام کیسے بنی ہوگا اور فی الواقع کن خطوط پر بننا چاہئے؟ اس سے پیشتر کہ چھ نکات پر مبنی سیاسی اور اقتصادی نظام کی بات ہو، ایک یہ بنیادی بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ دستور خواہ چھ نکات پر ہو یا چھ سو نکات پر یا صرف نکتہ پر دستور کی روح ایک ایسی صنعت مزاج جمہوریت پر ہو جس میں طبقاتی اتصال کے ساتھ ساتھ انفرادی اور حدودی اکثریت کی بنا پر یا دوسری انتظامی وجہ کی بنا پر نہ مغربی پاکستان آئندہ مشرقی پاکستان کا اقتدار کر کے خاور نہ اس کے برعکس مشرقی پاکستان سے کوئی اقتصادی یا سیاسی انتظامی کارروائی کر سکے۔ شیخ صاحب خود ہی اس بات کا یقین دلا چکے ہیں اور اس بات میں کسی کو شبہ نہیں رہنا چاہئے کہ شیخ صاحب کی اس یقین دہانی میں کوئی وقتی مسئلہ کارفرما ہے۔ یہی جذبہ اور یہی نیت دونوں صوبوں کے اقتصادی نظام میں جاری و ساری ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ مغربی پاکستان میں بھی ایسے علاقے بہت ہیں جن میں مشرقی پاکستان ایسی ہی صورت اور انداز کا دور دورہ ہے۔ تقبیل سے قطع نظر سرحد میں ریاستوں اور قبائل کے عوام کا ۹۰ فیصد بلوچستان کی پوری آبادی کا ۹۰ فیصد سندھ میں چولستان کے علاقے کے لوگ بالخصوص صدنی سد اور پٹیاب میں ۹۰ فیصد سے زیادہ ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جن کو پورے دن میں ایک وقت کی روٹی بھی پیٹ نہ چکر کر نصیب نہیں ہوتی، دوسری سہولتوں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ لہذا جو آئین مندرجہ بالا دو عوامی مطالبات کی ضمانت فراہم نہیں کرتا وہ خواہ عوامی لیگ

بالخصوص قریب تو ہے۔ پاکستان اس وقت پانچ صوبوں اور تباہی علاقے کی خاص بڑی آبادی پر مشتمل ہے۔ یہ علاقہ صوبہ سرحد کا حصہ بھی نہیں ہے۔ اور مغربی علاقے کے تحت مخصوص قوانین سے حکم چلا جاتا ہے۔ چاروں صوبوں کے مقابلے میں یہ علاقہ غربت اور بزدلی کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے اور عوامی لیگ چونکہ مشرقی پاکستان کی حدود پرچہ کی غربت اور پسماندگی سے پوری طرح واقف ہے اس لئے اس علاقے کی حالت ناز کا اندازہ اس کے لئے مشکل نہیں ہے اور مشکل توئی لڑنے پر رے مغربی پاکستان کی غربت کا اندازہ لگانے میں بھی نہیں نہیں ہونے چاہئے۔ اب چونکہ داخل آزادی یا صوبائی آزادی کا مطالبہ دن یونٹ کے ٹوٹنے کے قے ص ۳۲ پر مدد خطہ فرمانی ہے





## پس پر

بہت کچھ ہو چکا ہے

# امریکی جرنیل نے سرحدوں کا پراسرار دورہ کیا

## محمود شام

یکم مارچ تیزی سے حالات تبدیل ہو رہے ہیں۔ شرقی پاکستان میں امن و امان صورت حال، صدر یحییٰ کی طرف سے ۱۰ مارچ کو گول میز کانفرنس کی دعوت، مجیب کا انکار، ۲۵ مارچ کو قومی اسمبلی کے اجلاس کا اعلان، مجیب کی چار شرائط کی قبولیت کے بعد اجلاس میں شرکت پر پورے دباؤ کے ساتھ ساتھ، شرقی پاکستان میں لیفٹننٹ جنرل لگا خاں کی گورنری حیثیت سے تقرری۔ یہ تمام واقعات پانچ چھ روز میں انتہائی تیزی سے رونما ہو گئے ہیں۔ پاکستان کا عام طبقہ تو اس وقت سوائے دکانوں کے اور اپنے آپ کو کسی بات کا اہل نہیں سمجھ رہا ہے۔ کیونکہ یہ ساری تبدیلیاں بالابالا چھوٹی ہیں۔ مغربی پاکستان میں خاص طور پر برس وقت لوگ اپنے دھماکوں کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ انہیں براہ راست بتائیں کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ اخبارات کی اکثریت اس وقت اپنا دھی کو دارا کر رہی ہے جس کا ان کے آقا امریکہ کی طرف سے اشارہ کیا جا رہا ہے۔ کوئی محب وطن لیڈر یا اخبار مغربی اور شرقی پاکستان کے عوام کو ان باتوں سے آگاہ نہیں کر رہا۔ جو امریکہ کے ایجنٹ ملک کو امریکہ کی گود میں ڈالتے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ پاکستان کی اکثریتی پارٹی مگر صرف شرقی پاکستان کی نمائندہ جماعت عوامی لیگ کے سربراہ نے ۲۵ مارچ کو ہونے والے قومی اسمبلی کے

اجلاس میں شرکت کے بارے میں صرف اس صورت میں مدعو کر کے کا وعدہ کیا ہے جب ان کے چار مطالبات پورے کر دیے جائیں۔ ۱۔ مارشل لا ختم کر دیا جائے۔ ۲۔ فوجی بیوروں میں واپس بلائی جائے۔ ۳۔ شرقی پاکستان میں شیعہ مسلمانوں پر قتل عام کی تحقیقات کرائی جائے۔ ۴۔ اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کیا جائے۔ ان چار مطالبات کا اصل حاصل یہ ہے کہ صدر یحییٰ اقتدار کو پیٹ میں رکھ کر شیخ مجیب الرحمن کے حوالے کر دیں۔ اس سلسلے میں کسی تالان آہن اور لکھ رکھاؤ کا خیال نہ کریں۔ شیخ مجیب الرحمن اقتدار کی منتقلی کے لئے استعفیہ دے دیں اور معروضی طور پر حالات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ عوامی لیگ کے کردار پر ہم کھل کر بات کر چکے ہیں کہ یہ شرقی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ دارانہ نمائندگی کرتی ہے۔ شرقی پاکستان کی محب وطن، انقلابی اور سوشلسٹ قوتوں کے شیخ صاحب

## مجیب پینہ کھلنا

## چٹا گنگہ اور

## راجا ہن سین

## نا کام ہو گئے ہیں

شدید مخالف ہیں۔ مجیب الرحمن نے آج تک مغربی پاکستان کے استحصالی گروہ اور پنجاب کے حکمرانوں کے لئے کی مخالفت کی ہے۔ لیکن سامراج۔ امریکی یا روسی۔ کسی کی مخالفت نہیں کی۔ جنوب شرقی ایشیا میں سی آئی اے کے جو منصوبے ہیں وہ ”انفج“ میں کئی بار افشائے حاکم ہیں۔ اپنے ان منصوبوں کی تکمیل کے لئے امریکہ کو جو قوتیں مل چکی ہیں شرقی پاکستان میں ان کی نمائندگی شیخ مجیب الرحمن کرتے ہیں۔ شیخ مجیب الرحمن نے بنگالی قومیت کا لغو ہندو کے شرقی پاکستان کے عوام کی حمایت حاصل کی ہے۔ انہیں شرقی پاکستان کی امریکہ فائز یورو کرسی، مغربی پاکستانی محب وطن سیاست دانوں کی شرقی پاکستان میں عدم دلچسپی نے شرقی پاکستان میں اب ۱۶۷ سٹیوں کا حامل بنادیا۔ اب وہ بیابان بن گئے کہ چھ نکات پر عمل درآمد کرتے ہوئے ایسا دستور بنائیں جو ان کے تابع ہو اور وہ جس کی آڑ میں شرقی پاکستان میں امریکی اثر و نفوذ کی کھلی اجازت دے سکیں۔ مغربی پاکستان کے محب وطن سیاست دانوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے جاپا کہ مجیب صاحب سے ان نکات پر پہلے سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے جس سے ملکی سالمیت خطرے میں نہ رہے۔ اور مجیب صاحب کو ایک سمجھوتے کا پابند کر کے ملک دشمن اور امریکہ فائز آئین بنانے میں اپنی اکثریت استعمال کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ مگر مجیب صاحب نہیں

مانے اور اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اڑے ہے۔ اسی اثنا میں امریکی سفیر اور قونصلر کی سرگرمیاں، مجیب الرحمن سے ملاقاتوں کے سلسلے جاری رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ معنی خیز دورہ ایک امریکی جنرل کا ہے جس کی خبر کہیں نہیں چھپی۔ ڈھاکہ کے انگریزی ہفت روزہ ”مائیڈے“ کے ایک مضمون میں اس بات کا اظہار کیا گیا کہ ایک امریکی جنرل چیکے سے بھارت سے شرقی پاکستان آئے۔ انہوں نے پہلی کا پٹر پر شرقی پاکستان کی ساحلی سرحدوں کا معائنہ کیا اور پھر اسی خاموشی سے واپس چلے گئے۔ اس سے پہلے طوفان زدہ علاقوں میں امریکہ اور برطانیہ فوجیں اتارنے کی رپورٹیں کر چکے ہیں۔ اس وقت امداد و تقسیم کرنے کے بہانے امریکی اور برطانوی فوجی دستے ان علاقوں میں آ رہے اور انہوں نے آزادانہ نقل و حرکت کی۔ یہ لوگ کس کی اجازت سے آئے تھے۔ کچھ خبر نہیں۔ اس پر شرقی پاکستان سے صرت مولانا بھاشانی نے اور مغربی پاکستان سے سر جھٹ نے پھر زور احتجاج کیا تھا۔ شیخ مجیب الرحمن نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔ حالانکہ یہ بڑی سنگین صورت حال تھی۔ اب امریکی جنرل کا ساحلی دورہ اور اوہر میں کی حکومت نے امریکہ کو تنہا کیا ہے کہ امریکہ کے ایک فوجی طیارے نے چینی علاقہ پر پرواز کی ہے۔ ایک تھر جان نے کہا ہے کہ یہ طیارہ کوئٹہ، ننگ اور یوزان کے سرحدی علاقے پر پرواز کر رہا تھا۔ اس صورت حال میں کمبوڈیا اور لاؤس میں امریکی فوجی قوت میں اضافہ بھی اس امر کی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ امریکہ بحر ہند کے ایک جزیرہ ڈیو کاوشیا میں ایک ہوا صلائی اڈہ پہلے ہی قائم کر چکا ہے۔ کوئٹہ کے انقلابی نوجوانوں نے اس پر سخت احتجاج کیا ہے۔ امریکہ کو اس علاقے میں اپنا اثر و نفوذ بڑھانے کے لئے شرقی پاکستان کو



# اسمبلی سے پہلے ایک آئینی سمجھوتہ اشد ضروری ہے

اپنی گرفت میں لینا ضروری ہے۔ اس ضرورت کو فتح حبیب الرحمن پورا کر رہے ہیں۔ اگر موجودہ صورت حال برقرار رہتی ہے تو امریکہ براہ راست مداخلت نہیں کر سکتا۔ اگر کچھ کرنا ہے تو یہ ایک دوسرے ملک کے اندر دینی امور میں مداخلت ہوگی۔ یہ ایک ملک پر حملہ ہوگا۔ شیخ صاحب کے مطالبات تسلیم کرنے کے بعد صورت حال بہتر ہوگی کہ قانونی طور پر شیخ حبیب الرحمن ملک کے سربراہ ہوں گے اور وہ اس حیثیت سے امریکہ کو دعوت دے سکیں گے کہ وہ اقتصادی طور پر ان کی مدد کریں۔ ہوں امریکہ قانونی طور پر مشرقی پاکستان میں نقل و حرکت کر سکے گا۔ اس مداخلت پر کوئی دوسرا ملک اعتراض نہ کر سکے گا۔ اور یہاں امریکی نقل و حرکت ظاہر ہے کہ چین کے خلاف ہوگی۔ اور مشرقی پاکستان ایک امریکی اڈہ بن جائے گا۔ حبیب امریکہ کے لئے آسان ترین راستہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حبیب صاحب کو مشرقی پاکستان کی بیوروکریسی اور پولیس کی بھی حمایت حاصل ہے۔ حبیب صاحب کی دعوت پر مشرقی پاکستان کے سرکاری شعبوں نے ہڑتال کو جس طرح کامیاب بنایا ہے یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی آپس میں کس حد تک ساز باز ہے۔ حبیب صاحب نے اپنی ہمارے کی تقریر میں اس بات کا اعتراف یوں کیا ہے:

”سات روز کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ پورے بلکہ دیش میں تمام سرکاری اداروں نے جیسے جیسے اقتدائی تسلیم کر لیا ہے۔ اور ہماری ہدایات پر عمل کر رہے ہیں۔ اس بنیادی حقیقت کو صدر اور اسلام آباد کی حکومت کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آئندہ ہفتہ کے لئے جو پروگرام پیش کیا ہے۔ اس میں ریوسے اور دیگر گروپوں کے ملے کر بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ فوجوں کی نقل و حرکت کے لئے کام نہ کرے۔“

اس طرح کی صورت حال پیدا کر کے آخر کس کے لئے راستہ صاف کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی

دیکھنا ضروری ہے کہ مغربی پاکستان میں کون لوگ حبیب کا ساتھ دے رہے ہیں۔ نیپ (اولی) جس نے آج تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا، اکھنڈ بھارت کے قیام کی تمہنی ہے۔ جمعیت علمائے اسلام کو اپنی سیاسی حیثیت تسلیم کر دینے کی فکر میں ہے۔ قزاقزادہ نصر اللہ خاں۔ جو تحریک پاکستان کے مخالف ہے۔ امرغیاں جن کے سی آئی اے سے ایجنٹ ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ تو خاں اور قزاقزادہ مشیر علی خاں جو امریکی مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی جس نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ یہی لوگ ہیں جو انقلابات کے دفتروں میں چھ نکات کی مخالفت کرتے رہے۔ کیونکہ مغربی پاکستان میں اسی مخالفت کے ذریعہ وہ کامیاب ہو سکتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس لمحے میں امریکہ دشمن پیپلز پارٹی کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ اب صورت حال بدل گئی ہے تو وہ چھ نکات کی حمایت کر کے شیخ

## آئین کے بغیر انتقال اقتدار

## کا مقصد امریکی منصوبے

## کو مشکلات سے بچانا ہے

جن کے تحت مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔

موجودہ جمہوری حکومت اور مسلح افواج اس وقت کیا کریں۔ شیخ حبیب الرحمن اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں جس سے عوام اور فوج میں تصادم ہو، وہ اس طرح دنیا بھر میں پاکستانی افواج کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر کے اپنے لئے ہمدردی کے احساسات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مسلح افواج کو اس بات کا از خود بھی احساس ہوگا کہ حبیب کا دائرہ اختیار صرف ڈھاکے تک محدود ہے۔ ان کی اپیل بھی صرف ڈھاکے ہی کا رہے گی۔ انہوں نے پہلے مطالبہ بھی نہیں کیا تھا کہ ڈھاکے سے فوج واپس بلائی جائے۔ پھر کھنڈ میں اس وقت جو صورت حال ہے وہ حبیب صاحب کی گرفت میں نہیں ہے۔ حبیب صاحب کی اپیل پر ڈھاکے کے ساتھ ساتھ پٹنہ، کھنڈ، چٹاگانگ اور راجشاہی میں بھی ان کے دلائل قائم ہو سکا۔ وہاں جو لوگ عوامی جدوجہد کر رہے ہیں وہ حبیب صاحب کی اپیل پر نہیں ہے۔

فوج کو اس سلسلے میں حالات کا جائزہ لیتا چاہیئے۔ ہم عوام، محرمزوروں، کسافروں اور طالب علموں کے قتل عام کی چڑچڑاہٹوں میں مذمت کرتے ہیں۔ اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ ہماری افواج کو اس انتہائی اقدام کی بجائے یہاں کے عوام کو اعتماد میں لینا چاہیئے تھا۔ امداد نہیں ان سازشوں سے خیردار کرنا چاہیئے۔ جس کے تحت یہ صورت حال پیدا کی جا رہی ہے مشرقی پاکستان کی رائے عامہ قطعی طور پر امریکہ کے حق میں نہیں ہے۔ عوام سوشلسٹ بنیادوں پر مبنی خود مختاری اور خوشحالی چاہتے ہیں۔ اور وہ کسی صورت میں اپنی سرزمین کو چین کے خلاف ایک امریکی اڈہ نہیں بننے دیں گے۔ اور وہ امریکی منصوبوں کی تکمیل میں حبیب کے ہاتھ مضبوط نہیں کریں گے۔ عوام کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جائے تو عوامی وطن پرستی امریکی نوآزمیں

سے ٹٹنے میں قانون کے محققوں کا ساتھ دیں گی اور حبیب صاحب خود اپنے جال میں اسیر ہو جائیں گے۔

حبیب صاحب نے موجودہ مطالبات پیش کر کے صورت حال کو پھر دہیٹے جانا چاہا ہے جس میں عوام اور فوج میں تصادم ہوگا۔ تو حبیب وطن پرستی، عوام کی حمایت میں ضرور باہر نکلیں گی۔ اب ضروری ہے کہ حبیب صاحب کے پیچھے کار فرما سامراجی قوتوں کا پردہ چاک کیا جائے۔ ان کا یہ زعم توڑا جائے کہ عوام ان کے ساتھ ہیں مشرقی پاکستان کے عوام یقیناً امریکی سازش کو ناکام بنانے میں آگے بڑھیں گے۔ اور حبیب صاحب اس عوامی دباؤ کے پیش نظر آئین سازی کے سلسلے میں سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوں گے پھر نہیں امریکی سازش کو کامیاب بنانے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

ہم بالکل غیر جذباتی اور غیر جانبدارانہ طور پر سمجھوتہ صاحب کے اس موقف کو پاکستان کی سلامتی اور اتحاد کے لئے ناگزیر سمجھتے ہیں کہ حبیب صاحب سے اسمبلی سے پہلے ایک آئینی سمجھوتہ ضروری ہے۔ حبیب صاحب چاہتے ہیں کہ دستور ان کے تابع ہو نہ کہ وہ دستور کے تابع ہوں۔ سمجھوتہ صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ایک ایسا دستور بن جائے جو پاکستان کی سلامتی اور اتحاد کا ضامن ہو۔ کسی بھی طاقت کو اپنے ملک دشمن عناصر کی تکمیل کا موقع دستور کے سامنے نہیں ملنا چاہیئے۔

سمجھوتہ صاحب کے اس موقف کی تائید کے ساتھ ساتھ ہم سمجھوتہ صاحب سے یہ گزارش بھی کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت مغربی پاکستان کے ہر علاقے کے عوام ان کے منتظر ہیں اور ان سے موجودہ تشریفناک صورت حال میں کچھ سنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے گرد افواہوں، بدگمانیوں اور خدشوں کا جو غبار چھا رہا ہے وہ چھٹ جائے۔ صدر یحییٰ اور اپنی منڈل کیٹی کے ارکان سے بار بار ملاقاتوں کی بجائے وہ عوام سے رابطہ اختیار کریں۔ عوام ہی ان کی اصل قوت ہیں۔ صدر یحییٰ اور منڈل کیٹی سے ملاقاتیں، سمجھوتہ کو کمزور اور مصلحت پسند سمجھوتہ بنا رہی ہیں۔ جبکہ عوام سے ملاقاتیں سمجھوتہ کو عوامی اور انقلابی سمجھوتہ بنا سکتی ہیں۔



## میں نے اب چوری کا طریقہ بدل لیا ہے

..... ایک بل لگالی ہے

ابراہیم جلیس

عرصہ ہوا کوئٹہ کا ایک چور مسمیٰ محمد بخش عرف روشن کراچی میں گرفتار ہوا تھا۔ غالباً اس لئے کہ وہ پولیس کو منہ مانگا حصہ نہیں دے سکا تھا یا پولیس کو اس دن کی تعداد پوری کرنے کے لئے کہیں سے کوئی بے گناہ شہری ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ چور تو اتنے اہم نہیں ہوتے کہ ان پر خامہ فرسائی کی جاتے۔ لیکن محمد بخش روشن دز سے دیگر سب سے زیادہ بخش روشن منفرد بود۔ پہلے تو اس کی عرفیت یا تخلص ہی چونکا دینے والا ہے۔ پھر اور روشن۔ ۹۹

چور کا بھلا روشن سے کی تعلق؟ چور کا تو اندھیرے سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ جب کسی آبادی میں کچھ عرصے کے لئے چوری پھار نہیں ہوتی تو شہر کے لوگ اظہار حیرت کرتے ہیں کہ صلا چور جاتے رہے کہ اندھیاری! پھر کاروشن دان سے تعلق تو سمجھ میں آسکتا ہے لیکن چور بجائے خود روشن ہو! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی البتہ بخش خاصا روشن دماغ آدمی ہی تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی گرفتاری کے بعد اخبار نویسوں کو بتایا کہ میں کوئی ایسا ویسا اہل کے زمانے کے چوروں جیسا کوئی گھٹیا چور نہیں ہوں بلکہ چوری کو بھی ایک فن شریعت کی طرح استعمال کرتا ہوں۔ اور بڑے اصولوں کے تحت چوری کرتا ہوں۔ میری زندگی کے چند اصولی ص

ماں سرایہ دارانہ نظام ہے جیسی تو کسی سوشلسٹ معاشرے میں چوری ایسے ہی پایا ہوتا ہے جیسے کہ چین میں چور کی غائب پھر اس نے چین کی خاص طور پر شمالی دی کہ:

”ماں کروڑ انسانوں کی وہ قوم جو مرث ۲۲ برس پہلے دنیا بھر میں بے مثال جرائم پیشہ مشہور تھی۔ اب ان ۲ کروڑ انسانوں میں سے نمونے کے لئے بھی ایک جرائم پیشہ نہیں مل سکتا“

محمد بخش روشن کی اس روشن طبع سے ہیں بڑی مرث ہوئی۔ ہم اس نے بے تعلق ہو گئے اور پھر محمد بخش روشن نے اور میں بڑے مزے مزے کی باتیں بتائیں۔ اس نے کہا:

”سب سے پہلے میں نے ایک غریب آدمی کے گھر میں چوری کی تھی۔ اس کی دوسری رات گاؤں سے باہر اندھیرے میں میں اپنے چند چور ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا گھبراہٹ رہا تھا۔ باتوں باتوں میں میں نے یوں ہی گپ ہانک دی کہ:

”یارو میں نے آج تک کسی غریب آدمی کے گھر میں چوری نہیں کی۔“

میرا اتنا کہنا ہی تھا کہ اندھیرے میں ایک اجنبی کی آواز گونجی۔

”کیوں جھوٹ بولتا ہے۔“

یہ آواز سن کر ہم سب چور چونک پڑے کہ یہ کون ہے، جو ہماری باتیں سن رہا ہے چنانچہ میں نے اسے لٹکایا

”کون ہے جو چوروں کی طرح چھپا ہم چوروں کی باتیں سن رہا ہے؟ ہم چوروں سے کیا چوری، بس اب آجاؤ سامنے“

وہ چھپا ہوا شخص بڑی شان سے اگڑا ہوا نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر میں ہلکا سا ٹپٹپٹ گیا۔ کیونکہ وہ ایک غریب ریلوے قلی تھا جس کے گھر اس کی اکلوتی بیٹی کے لئے بوسوں سے چیزیں بڑا ہوا ہمارے میں نے چوری کیا تھا۔ میں نے اگلے بڑھ کر اس کے پاؤں چلنے اور وعدہ کیا کہ آئندہ سے کسی غریب کے گھر چوری نہیں کروں گا۔“

وہ روشن خیال محمد بخش روشن نے پھر ایک

ایسا واقعہ سنا کہ ہم اب تک دنگ ہو کر رہ گئے ہیں۔

محمد بخش روشن نے بتایا کہ ایک رات میں کراچی کی امیروں کی بستی پی ای سی ایس کی ایک کوٹھی میں گھسا۔ مال و متاع لوٹ کر لوٹ رہا تھا کہ اچانک ایک پستہ قد سے آدمی نے جس کا اندھیرے کے باعث چہرہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے سینے پر پتلی تان کر بولا۔

”کیوں بے۔۔۔ ہمارے ہی گھر چوری گویا وہ کہہ رہا ہو کہ

”چوروں کے گھر ہی چوری!“

میں نے گھبرا کر پوچھا

”بھائی۔۔۔ اندھیرے کے باعث تمہاری شکل مجھے نظر نہیں آ رہی ہے۔ ذرا اپنا تعارف تو کرو کہ تم کون ہو۔“

وہ شخص بولا

”میں اس طبقے سے تعلق رکھتا ہوں جو خلق خدا کو روٹے کھوٹنے میں از آدم تا نیند اس کا کوئی تعلق نہیں پیدا ہوا۔ چور ڈاکو تو راتوں کو چھپ چھپا کر روٹے کھوٹتے ہیں۔ ہم تو دن دہارے علی الاعلان ساری قوم کو مارے انسانوں کو لوٹتے ہیں اور بڑے کی بات یہ کہٹنے والوں کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ لٹ رہے ہیں۔“

میں اتنا تعارف کافی تھا میں فوراً سمجھ گیا اور خوشی سے چیخ پڑا

بس بس۔۔۔ مزید تعارف کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھ گیا۔ میں پہچان گیا۔ تم ہوا مرالف کے خاص انخاص کارندے المعروف چچے یعنی ”سیلور ڈنڈی مار“

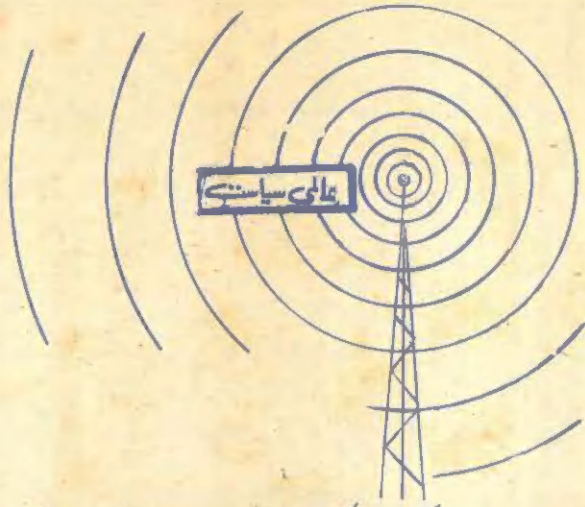
اس واقعہ کو سنانے کے بعد محمد بخش روشن نے اپنی موجودہ زندگی پر یوں روشنی ڈالی۔

”اب بھی میرا پیشہ وہی چوری، چکاری اور لوٹ کھسوٹ ہے لیکن اب میں نے اپنا طریقہ بدل دیا ہے۔“

یہ انگشت ہماری سمجھ میں نہ آیا تو اس نے بے حیائی سے ہنس کر وضاحت کی

”اب میں نے ایک بل لگالی ہے“





چینی عوام اُسے دورے نکلے چکے ہیں جبہ انہیں غیر  
ترقی یافتہ کہا جاتا تھا۔ اب ہم ایک انتہائی مہذب قوم  
کے صورتے ہیں اُبھر رہے ہیں

## چین

### سُرخ اور روشن ستارے کی مانند چمک رہا ہے

ایک بھینٹک جنگ کے تعلق پھر کا ہے۔ اور جنوبی ویت نام کی ایک پوری بلین کا صفایا  
جاپان کا فسطائی ٹولہ امریکی امداد کے سہارے کر کے ایک ایسا راکٹ قائم کیا ہے جس کی  
پورے ایشیا کے لئے خطرہ بننا جا رہا ہے۔ شمال مشرقی ہی سے لے گی۔ اس کے برعکس  
چین کے ستر کروڑ عوام سامراج کے خطرناک امریکی اور جنوبی ویت نام کے فوجی ترجمان اپنی  
عوام سے واقف ہیں۔ اس سے قبل کہ پشانی کی جھینپ مٹانے کے لئے اٹھے سیدھے  
امریکی سامراج اور سوشل سامراج ایشیائی اور تضاوت دعوئی کر رہے ہیں۔ جس میں کوئی صدا  
عوام کو جنگ کا اندھن بنا دیں، چین اور نہیں ہوتی۔  
چینی کے ستر کروڑ عوام منہ توڑ جواب دینے لاؤس پر حالیہ امریکی حملہ کوئی نئی بات نہیں  
کے لئے اپنے آپ کو ہر طرح سے مسلح یہ حملہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا۔  
کر رہے ہیں۔ گیا۔ اس حملے کا منصوبہ تقریباً ۱۹۶۵ء سے  
پہلے ہی پٹانگان میں ترتیب دیا جا چکا تھا۔  
جنوبی ویت نام میں امریکی افواج کے کنٹرول  
جزیرہ دیم نور کے ویت نام کے ساتھ  
لاؤس اور کیوڈیا میں بھی نئے محاذ کھول کر  
جنگ کو ایک وسیع علاقے میں پھیلانے  
کی تجویز پیش کی تھی۔ جس کو ۱۹۶۸ء میں  
عملی جامہ پہنایا گیا۔ نیویارک ٹائمز لکھتا ہے کہ  
امریکہ اب تک تقریباً ۳۰ لاکھ فوجیوں کو  
جنوبی ویت نام میں اتار چکے ہیں۔ اس کے  
علاوہ پیرس میں شمالی ویت نام کے نمائندے  
زوان تھو کی بیان کے مطابق امریکہ نے

اور سوشل سامراج کا مقصد حلا پر اجارہ داری  
قائم کرنا ہے۔ یہ بات سر شخص جانتا ہے کہ  
دو دنوں قبل کے اس اشتراک عمل اور باہمی تعاون  
کے پیچھے دنیا بھر کے مظلوم اور پیسے ہوئے عوام  
پر سامراجی گرفت کو مضبوط کرنا اور انہیں بدترین  
استحصال کا شکار بنانا ہے۔

چین اپنے ملک کے ستر کروڑ عوام کا معاشی  
استحصال کر کے، خلائی دوڑ میں شامل نہیں ہوا  
ہے۔ پہلے عوام کی سماجی اور اقتصادی زندگی  
میں حیرت انگیز انقلاب برپا کیا گیا۔ اس کے  
بعد محدود پیمانے پر خلائی تجربے کر کے امریکی  
سامراج اور سوشل سامراج کی اجارہ داری  
کا خاتمہ کیا گیا۔ سامراج چین کی مستحکم معیشت  
اور بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہے چین  
کے گرد گھیراؤ لانے کی کوششوں میں اضافہ  
کر دیا گیا ہے۔ جاپان کی عسکری طاقت میں  
سے پناہ اضافہ کیا جا رہا ہے جاپانی فوجیوں  
کو ایٹمی ہتھیاروں سے مسلح کیا جا رہا ہے۔ اوکی  
نادا کے امریکی اڈے میں ایٹمی ہتھیاروں کی  
ریل پیل ہے۔ ان تمام تر کارروائیوں کا مقصد  
چین کی ناکہ بندی کرنے کے بعد ایشیا میں

### چین کا دوسرا خلائی سیارہ

عوامی جمہوریہ چین نے اپنا دوسرا مصنوعی  
سیارہ زمین کے مدار تک پہنچا دیا۔ یہ سیارہ  
دستی چین میں شراٹنگ چنگ کے علاقے سے  
چھوڑا گیا تھا۔ سیارہ کامیابی کے ساتھ مدار کے  
گرد چکر لگا رہا ہے۔ چین کی یہ کامیابی عوام کی  
کامیابی ہے۔ دنیا بھر کے محکوم عوام کی  
کامیابی ہے۔

اس سے قبل جب چین نے اپنے پہلے خلائی  
سیارے کا کامیاب تجربہ کیا تھا تو سامراجی حلقوں  
میں صفت ماتم بچھ گئی تھی چینی عوام کی اس  
عظیم الشان کامیابی پر خاک ڈالنے کے لئے ملہ جی  
حلقوں نے اسے چین کا محض پراپیگنڈا قرار  
دیا تھا۔ مگر چین کے دوسرے سیارے کی کامیاب  
پرواز سے اس پر ہیگنڈے کا ملمع اتر گیا۔ اور  
یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ چین خلائی  
تجربے میں سنجیدہ اور باوقار ہے۔ اور اس  
نیت کے ساتھ خلائی مقابلے میں شریک ہوا  
ہے کہ اس کے خلائی تجربوں سے دنیا بھر کے  
مظلوم عوام کو فائدہ پہنچے گا۔ جبکہ امریکی سامراج

### بند چینی

گذشتہ دنوں فزوری میں حریت پسند دلنے  
پان ڈانگ کے اہم فوجی اڈے پر حملہ کر کے  
جنوبی ویت نام کے ستر ٹینک تباہ کر دیئے۔  
اس کے بعد فوجی اڈے پر قبضہ کر لیا۔ جنوبی ویت  
نام کے پیٹرو فوجی سینکڑوں لاشیں چھوڑ کر  
بھاگ نکلے۔ اسی روز حریت پسندوں نے چھوکر  
بوک کے علاقے پر بھی حملہ کیا۔ اور شدید گولہ باری  
کر کے دشمن کی دو کمپنیوں کا صفایا کر دیا۔ اس  
کے علاوہ ایک دن میں ۱۳۱ امریکی طیارے





واری قائم رکھنے کے لئے جنگ کے دوسرے  
کو برابر وسعت دینا چاہا جا رہا ہے۔ ممکن  
ہے کہ وہ لاؤس میں ایٹمی ہتھیاروں کی  
جنگ چھیڑ کر پورے ایشیا کے امن اور سلامتی  
کو خطرے میں ڈال دے۔

عراق کی حکومت نے بھی ہندوچینی میں  
امریکی سامراج اور جنوبی ویت نام کی چھڑ حکومت  
کی جارحیت کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا  
کہ ہندوچینی کے عوام اس جارحیت کو کچل دیں  
گے۔ قومی محاذ آزادی فلسطین نے بھی ہندوچینی  
میں امریکی سامراج کی مسلح جارحیت کی شدید  
مذمت کی ہے۔

امریکی سامراج اپنے تمام وسائل کو بڑے  
کار لاکر ہندوچینی میں جنگ کی آگ کو پھیلنے کا  
رہا ہے۔ مگر ہندوچینی کے عوام بھی اس کھلی ہوئی  
فلکی جارحیت سے غافل نہیں ہیں۔ انہوں نے  
سامراج کے قدموں کو اپنی سرزمین سے اکھاڑ  
پھینکے کا عزم کر لیا ہے۔

### بھارت کے انتخابات

بھارت کے انتخابات کے چھ روز  
تاحال مکمل ہو چکے ہیں۔ ان چھ دنوں میں  
لائقائیت، مارپیٹ، آتشزدگی، قتل وغیرہ گرمی،  
بموں کے دھماکے، عوام اور فوج میں مسلسل تصادم  
کے واقعات سے بھارتی انتخاب کی فلی کھل گئی ہے  
اگر انتخابات سے معاشرے میں موجود نا انصافی ختم ہو  
جاتی ہے اور عوام کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو جاتی  
ہیں تو بھارتی انتخابات سے بھارت کے مظلوم اور  
محنت کش عوام اس قدر بے زار کیوں ہیں۔ بموں  
کے مسلسل دھماکے اور پلوگنگ بوتھوں کو نذر آتش  
کرنے کے واقعات رونما ہو رہے ہیں اور پُر امن  
انتخابات کے انعقاد کے لئے پولیس اور فوج کی فورت  
کیوں محسوس کی جا رہی ہے۔ کیا انتخابات پر سے  
بھارتی عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے اور وہ اس بات  
کی تہ تک پہنچ چکے ہیں کہ بھارت کے اجارہ دار  
سرمایہ دار اور بڑا روایتی نے مظلوم عوام کو محض  
بہلانے پھسلانے کے لئے ۲۳ سال سے انتخابات کا  
ڈھونگ لچا رکھا ہے۔

اگر بھارت کے ۲۳ سالہ نام نہاد جمہوری دور  
پر نظر ڈالی جائے تو سامراج کے اس بھرپور پیکیج  
کے باوجود ”بھارت“ صحیح معنوں میں ایک جمہوری  
ملک ہے۔ یہ حقیقت پوری تلخی کے ساتھ ظاہر ہے

تشویش میں مبتلا ہے۔ کیونکہ اسے ابھی تک  
کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اور اب  
صدر نکسن کا کہنا ہے کہ لاؤس پر حملے کی وجہ  
صرف امریکی فوج کا تحفظ ہے۔ لیکن نکسن کا  
یہ بیانیہ گمراہ کن ہے۔ امریکی سامراج دراصل  
ویت نام کی جنگ کو پھیلا کر اور ایشیا میں  
جنگ کے شعلے بھڑکا کر بدنام زمانہ امریکی پالیسی  
کے مطابق ایشیائیوں کو ایشیائیوں سے  
لڑا رہا ہے۔

لیکن اب امریکی سامراج یہ نام نہاد منصوبہ  
ناکام ہو گیا۔ ہندوچینی اور ایشیائی عوام متحد  
ہو چکے ہیں۔ جسے کے اثرات وہ لاؤس میں  
دیکھ چکا ہے۔ اور اب وہ اندازہ کر چکا ہے  
کہ نتائج اس کے حق میں نہیں ہوں گے۔ اور  
بدترین شکست کے ساتھ اسے ان علاقوں  
سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق کمیونڈیاؤ  
لاؤس میں لے دیے گئے شکستوں سے دوچار  
ہونے کے بعد امریکی سامراج ایک فیصلہ کن

ساتویں بحری بیڑے کی طاقت میں اضافہ کر  
دیا ہے۔ جس کے مراکز سیام میں ہیں۔ اس  
اضافہ سے جنوبی ویت نام کے ساحل پر لشکر  
انداز امریکی بحری ہوائی جہازوں کو بھی بڑی  
تفویت پہنچتی ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے  
امریکہ کی نیت میں نفوذ واضح طور پر سامنے آتا  
ہے۔ یہ جارحانہ پیش قدمی اب سے ۳۰ ماہ  
قبل ہی جنوبی ویت نام اور امریکی اقتدار کے  
درمیان آپس کے صلاح مشورے سے شروع  
کی گئی۔ جس میں پہلے کمیونڈیا اور پھر لاؤس  
میں جنگ کی آگ کو پھیلانے کے بارے  
میں فیصلہ کیا گیا۔ اس جارحانہ منصوبہ کی  
ممکنہ سیدگاہوں میں امریکی سفیرائیس ونگنگ  
وجنرل کوئٹس آبراہم۔ جنرل ویسٹ مورلینڈ  
کی نگرانی میں ہوئی۔ امریکی افواج کے ڈیفنس  
سیکرٹری میلون لیرڈ نے جنوری میں سیدگاہوں  
کا دورہ کیا۔ اس دورے سے ثابت ہو گیا کہ امریکہ  
اپنی جارحانہ ہمت دھڑی پر قائم ہے۔ اور  
جلد ہی لاؤس میں بھی جنگ کے شعلے بھڑک

### امریکی اور جنوبی ویت نام کے فوجی ترجمان اپنی پٹائی کی جھینپ مٹانے کے لئے متضاد دعوے کر رہے ہیں

جنگ کی تیاری میں ہے اور اسی سلسلے میں ہی  
ہائی درجہ جو جنوبی اور شمالی ویت نام کے درمیان  
میں سے گزرتا ہے۔ اس کے شمالی کنارے پر  
فوجیں جمع کرنی شروع کر دی ہیں۔ یہ نیا منصوبہ  
بھی امریکی صدر نکسن اور بیرونی مٹی کی عیلت  
سے تیار ہوا ہے۔ اس منصوبے سے صاف  
پتہ چلتا ہے کہ امریکی سامراج جنگ کے شعلوں  
کو مزید وسعت دینے والا ہے۔ اور اس بات  
کی بھی توقع ہے کہ اب امریکہ مکمل کو شمالی ویت نام  
پر حملہ کرے گا۔

ویت نام، کمیونڈیا اور اس کے بعد لاؤس  
پر جنوبی ویت نام اور امریکی سامراج کی تازہ ترین  
جارحیت سے دنیا بھر کے عوام سلگ اٹھے  
ہیں۔ امریکہ کے بے شمار شہروں میں دورانہ  
منظاہرے کئے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف دنیا  
کے گوشے گوشے سے امریکی جارحیت کے  
خلاف آواز بلند کی جا رہی ہے۔ نیوزی لینڈ  
کے ”میلبرائنس“ نے امریکی پالیسی کی مذمت  
کرتے ہوئے کہا کہ ”امریکہ ہندوچینی میں اجارہ

اٹھیں گے۔  
۲۹ جنوری کو امریکی سفیر بنکر اور جنرل آبراہم  
نے صدر تھیو سے ملاقات کی اور فوراً شکست  
روانہ ہو گئے۔ جہاں انہوں نے صدر نکسن سے  
ملاقات کے دوران اس کردہ منصوبے کی تفصیلات  
بتائیں۔ ”نیویارک ڈیلی نیوز“ کی اطلاع کے  
کے مطابق صدر نکسن نے خود اپنے اختیارات  
کو استعمال کرتے ہوئے لاؤس پر پیش قدمی کا  
حکم جاری کیا۔

اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ نکسن کا یہ اقدام  
کوئی امراتیہ نہیں بلکہ اس نے اپنی توأب دیات  
اسکیم میں اضافہ کرنے کی اسکیم کو عملی جامہ  
پہنانے کی کوشش کی ہے۔ اور معاہدہ جنیوا  
کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنکاک بیسکاؤں  
نوم پمپہ اور بنڈین میں اپنے فوجی اڈے  
قائم کرنے کے ساتھ ساتھ سیام میں بھی فوجی  
اڈے قائم کئے۔ خیال ہے عنقریب لاؤس  
کے خلاف سیام سے نیا محاذ کھولا جائے  
گا۔ لیکن امریکہ ہندوچینی کے واقعات سے سخت

ک بھارت کے شاندار جمہوری فوج سے عوام کو کوئی  
فائدہ نہیں پہنچا، آزادی سے قبل وہ برطانوی سامراج  
کے غلام تھے، آزادی کے بعد وہ بھارت کے  
اجارہ دار سرمایہ داروں کی غلامی میں انتہائی محبت  
کے دن کاٹ رہے ہیں۔ پہلے ان کے گیس میں سیاسی  
غلامی کا طوق پڑا تھا۔ اب ان کے ہاتھ پاؤں اقتصادی  
غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ بھارت میں  
۲۳ سالوں سے بڑے توڑ اور تسلسل کے ساتھ

انتخابات ہو رہے ہیں۔ پھر انتخاب سے پہلے عوام  
کی زندگی میں شاندار اور حیرت انگیز انقلاب برپا  
کرنے کے وعدے کئے جاتے رہے ہیں مگر بھارت  
کے حکمران ٹوٹے نے اپنے وعدوں کو آج تک پورا نہیں  
کیا اور بھارت کے مظلوم عوام کی زندگی دوزخ کا  
ایندھن بنی رہی۔ منوکی بنگال میں مسلح عوامی جدوجہد  
اسی سیاسی اور سماجی استحصال کا رد عمل ہے۔ انتخابات  
کے دوران گورڈ اور لاقائیت کے واقعات دراصل  
عوام کی بے چینی اور بے اطمینانی ظاہر کرتے ہیں۔  
انتخابات کے قریب کا پردہ چاک ہو چکا ہے انتخابات  
کے نتائج چاہے جو کچھ ہوں اقتدار میں آنے والا ٹولہ  
عوام کے مصائب حل کرے یا نہ کرے، عوام کو اس  
سے کوئی غرض نہیں ہے، اب تو انہوں نے طے کر لیا  
ہے کہ وہ مصائب کا حل خود ڈھونڈیں گے۔ اپنی نجات  
کا راستہ خود تلاش کریں گے، اور وہ راستہ انتخابات  
کا نہ ہوگا، بلکہ جدوجہد کا ہوگا۔

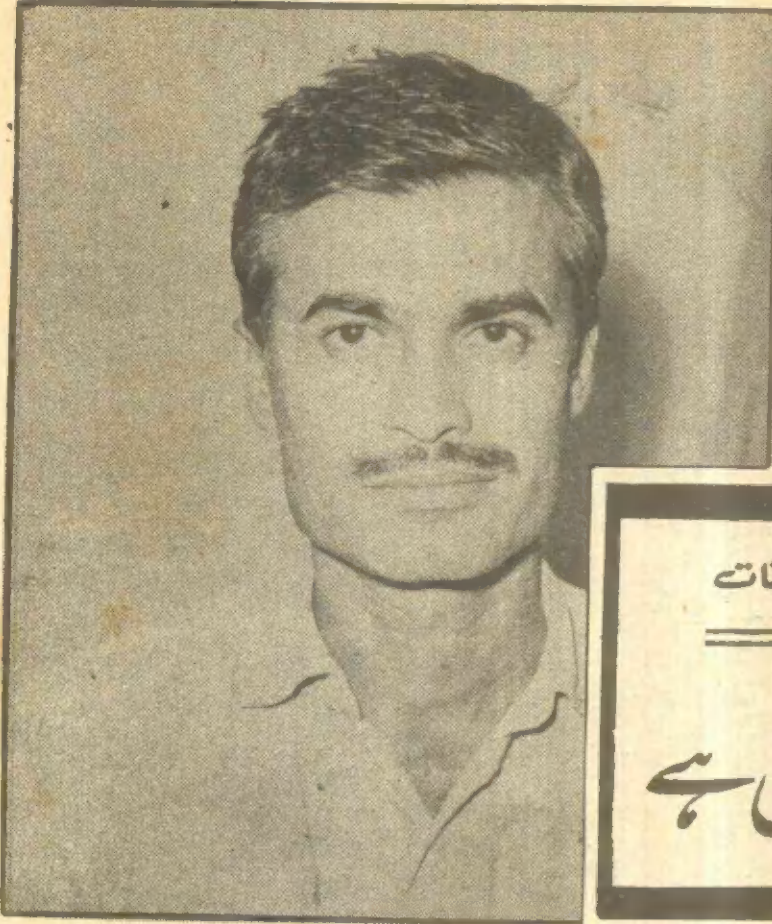
### صدر نکسن کا بیان

صدر نکسن نے امریکی کانگریس کے نام جو  
پیغام دیا تھا، اس پر پاکستان  
کے سیاسی اور عوامی حلقوں میں بڑا شدید رد عمل ہوا  
ہے اور اسے پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت









### وقائع نویسی خصوصی

تاریخی، نظم و قشور اور قاتلوں کے سامنے عقیدہ  
رٹنے کی بجائے غاصبوں کا جو انہوی سے مقابلہ

کر رہا ہے۔ اس نے بہت نہیں ہادی اور  
جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی مقول  
کو منظم کر رہا ہے۔ وہ یہ جان گیا ہے کہ اقتدار  
کا حقدار کون ہے۔ ملیں اور کارخانے کس  
کی ملکیت ہیں۔ اور وہ اس پر کیوں قبضہ کرنا

مزدوروں کی جدوجہد کام کر  
ان دنوں "ملوں پر قبضہ" ہے۔  
اللہ وسایا مل پر خان اشفاق احمد خاں اور محمود  
نواز کی قیادت میں قبضہ سے ہونے والی ابتدا پورے  
عروج پر ہے۔ متاثرہ ٹریڈ یونین میں اس کے

روپوش مزدور رہنما عثمان بلوچ سے ایک ملاقات

## نور خان کی ولیکا سے دوستی ہو گئی ہے

میں متحد ہو نہ ہے، تاکہ دھرتی کی پیاس  
بجھا سکیں۔

عثمان بلوچ سے بھی ملاقات ہو گئی۔ وہ  
ولیکا پر قبضہ کے بعد سے ولیکا کے زیرِ غلبہ  
ہے۔ پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ بستی  
والوں کو ڈرا دھمکا کر عثمان بلوچ کو مانگتی ہے۔  
"عثمان بلوچ کو پیش کر دو، ورنہ تمہاری خیر  
نہیں۔" بستی والے چپ سا دھتے ہیں۔

عثمان بلوچ نے مختصر سی ملاقات کے دوران  
سرمایہ داروں کی ایک گھنٹہ فنی سازش فاش  
کر کے ہوئے کہا "ولیکا کو بچانے کے لئے تمام  
سرمایہ داروں کا ٹھٹھہ جوڑ دیا گیا ہے۔ بھاری پٹیلے  
پر چھائی اور تاکہ بندی جو رہی ہے۔ سبک اندازی  
توپہ ہے ہی تباہ ہو چکی ہے۔ نئے منصوبے کے  
تحت رہی ہی کس نہی گئی ہے۔ سنو، نیشہ کی

کے گیارہ سو مزدور بیکار کر دیئے گئے ہیں چوب  
باروں میں چھائی ہو رہی ہے۔ رشید میں کہا  
جا رہا ہے کہ آٹھ سو چلانے والے کارگر اب  
بارہ سو چلا ہیں۔ بارانی میں پورا کھاتہ ٹھیکیدار  
کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ دوست محمد میں گیت  
بند ہے۔ دادا بھائی اور شان انڈسٹری میں  
تاکہ بندی ہے۔ اسٹار ملز آدھا بند کر دیا گیا

یہ کام صرف اور صرف ایک انقلابی تنظیم ہی کر  
سکتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ چند اخبارات  
ایک عرصے سے ہماری حمایت میں لکھ رہے  
ہیں۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو انکان چاہتے  
ہیں بمعہ صاف ہے کہ ان اخبارات کی فکر تھی ہی کو  
پردہ نہیں، مزدوروں کی صحیح سوچ رکھنے  
والی تنظیموں کا فقدان ہے۔"

یہ مزدور بہت غصے میں تھا جو ش میں بہت  
کچھ کہہ گیا۔ ماحول سے اگٹا ہوا تھا۔ اس کے  
نزدیک جان کا ایک ہی مصرت رہ گیا ہے۔  
وہ یہ کہ اس سماج کو جاگیر داروں اور سرمایہ داروں  
اور نوکر شاہی سے چٹکا کر دالانے کے لئے فزائی  
ہو جائے۔ اس نے سینہ تان کر کہا "اب ہم  
مرنے سے نہیں ڈرتے۔ دھرتی کے ایک ایک  
کر کے بہت سے رینیقوں کا خون پی لیا ہے۔"

چاہتا ہے۔ ایک مزدور نے اس کا جواب  
دیتے ہوئے کہا "مسٹر روٹی، کپڑے اور مکان  
کا نہیں، ظالم اور مظلوم کا ہے۔ نظام کی تبدیلی  
کا ہے۔ یہ عمل ایک ایسی تنظیم کا متقاضی ہے  
جو مزدوروں اور کسانوں کو ٹریڈ یونین سرگرمیوں  
میں انجمنانے کی بجائے صحیح سوچ سے مسلح  
کرے اور جدوجہد کے راستے پر گامزن رہے۔  
مصلحت کو ٹھکرائے، اصولوں کا پاس کرے۔"

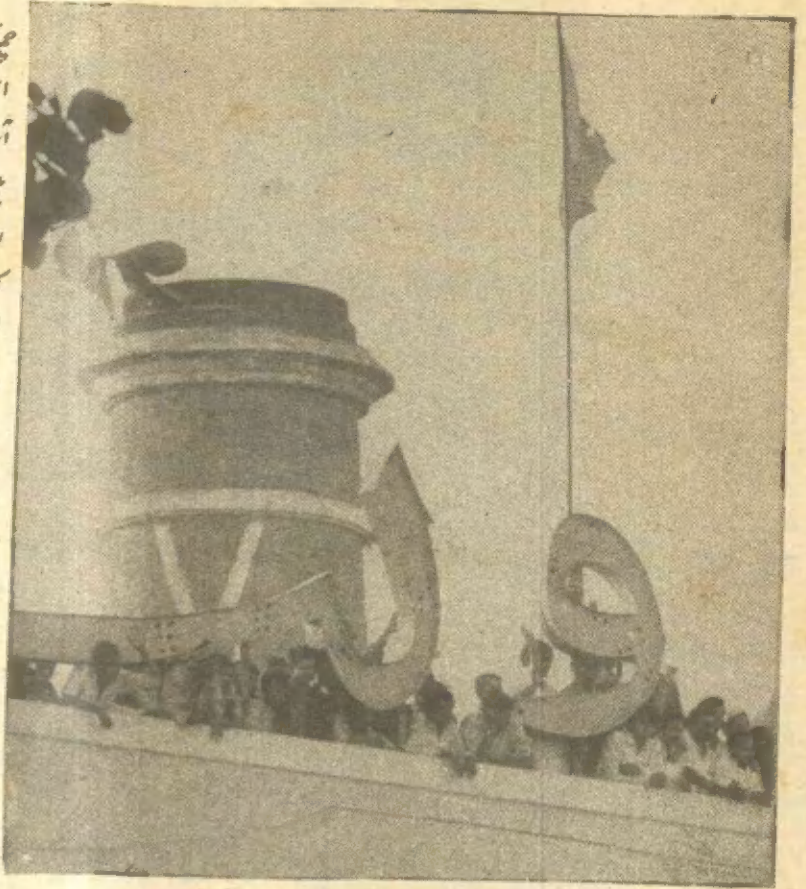
ہم آخری  
فتح تک  
لڑتے  
رہیں گے



علاقہ اور کوئی طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ کراچی میں  
آج کل عثمان بلوچ کا طوطی بول رہا ہے۔ اجارہ دار  
سرمایہ داروں کے آل و تدبیر ولیکا کی ملز پر قبضہ کا  
چرچا ہے۔ مزدور بھرے ہوئے ہیں اور ایک ہی  
راستے پر چل کر رہے ہیں کہ اب ملوں کے مالک  
مزدور ہوں گے۔

اس سوچ کی روک تھام کے لئے اجارہ دار  
سرمایہ دار اور نوکر شاہی سرگرمیوں سے کام  
لے رہی ہے۔ مزدور اپنے محاذ پر ٹٹے ہوئے ہیں  
نور مایہ دار نوکر شاہی اپنے استاد کو مزید مضبوط بنا  
رہی ہے۔ ملوں میں تادم بندی، چھائی اور پاکش  
پر نیشوں کی غنڈہ گردی فزوں پر ہے۔ اس  
وقت تک تقریباً پچاس ہزار مزدور روزگار  
سے محروم ہو چکے ہیں۔ مالکان کے اشتقام کی آگ  
کے شعلے پیسے سے کہیں زیادہ مہلکیں۔ مزدور نہ جانوں  
اور کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے۔  
پولیس روٹی، کپڑا اور مکان مانگنے والے طرہوں  
کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کہیں بستی والوں کو  
ہلا کر پھینکا جا رہا ہے کہ تمہاری خیریت ہی میں  
ہے کہ تم عثمان بلوچ کو ہمارے حوالے کر دو۔ کہیں  
مقتلوں میں بٹھا بٹھا کر لپیڈی کے نشے اتارنے  
کے فارمولے اپنا کام دکھا رہے ہیں۔  
خوشی کی بات یہ ہے کہ آج مزدور چھائی،





## کراتے کے لیڈر متوازی یونینیں قائم کر رہے ہیں

ہے۔ انصاف کے ۷۶ کارکنوں کے لئے جا چکے ہیں۔ برف والا کارخانہ بند کر دیا گیا ہے عالمگیر سے آدھار دی نکالنے جا چکے ہیں۔ ترمسک ملن دھابند ہے۔ نورسلک ملن بالکل بند ہے۔ اقبال سلک ملن کا نام بدل کر مزدوروں کو باہر کر دیا گیا ہے۔ اور اب نیا نام رکھ دیا گیا ہے۔ یہ کیوں کر رہا ہے بے اس لئے کہ دلیکا کو کارکن مل جائیں۔ بیرونگاری مزدوروں کو مجبور کر دے کہ وہ اپنے بھائیوں کا گلا کاٹ دیں۔ یہ صورتحال روٹی کی تلاش میں دلیکا کے درجہ جھکنے والے مزدوروں کے لئے تشویش ناک ہو گئی ہے۔ اس مقصد کے لئے جو بھی جلتا ہے، ہڑتائی مزدوروں کی بری حالت میں داپس کو دیتے ہیں۔ چند افراد کے زخمی ہونے کی اطلاعات بھی ملی ہیں۔

عثمان طریق نے کہا کہ ہڑتال، منعتی عدالتوں اور قوانین نے مزدور طبقے کو کچھ نہیں دیا۔ ۱۹۹۹ء میں ہڑتالیں ناکام ہوئی ہیں۔ منعتی عدالتوں میں مزدور کی پڑپال تب دق کے موزی مرض کا لقمہ بن رہی ہیں۔ نور خاں کی میسر ہو رہی ہے جسے جگادری مزدور رہنماؤں نے حمایت کا ضمان فراہم کیا تھا، مل میں مزدور دشمن اور مزدور کش ثابت ہوئی ہے۔

چمکانے کی فکر میں ہیں۔ وہ دلیکا جی کے خلاف انہوں نے اپنی تقریر میں کوئی بات کہہ دی تھی۔ آج اسے سچا لے کے لئے متوازی یونین بن رہے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ نور خاں کا یہ شیٹ کون محل کر رہے ہیں۔ مزدور اتحاد تحریک انہیں اور نور خاں کو معاف نہیں کرے گی۔ ہم ان کی سرگرمیوں کا بغور جائزہ لے رہے ہیں۔ ابھی انہیں دھکیل دے رہے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ واہ راست پر آجائیں گے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ خود بخود بے نقاب ہو جائیں۔

عثمان طریق نے کہا کہ دلیکا ملز پر قبضہ کرنے کی ٹھوس وجہ موجود ہیں۔ معاہدے کے تحت دلیکا کو مارشل کے تحت گرفتار ہونے والے مزدوروں کو کام پر واپس مینا۔ ایسے افراد کی تعداد تیرہ تھی۔ ان میں سے چھ نے اپنے واجبات ملنے سے وصول کر لئے تھے۔ یونین نے ان کی بحالی کے لئے نہیں کہا۔ بلکہ جنھوں نے واجبات تک نہیں لئے تھے ان کو کام پر واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ دلیکا نے دوسرے قانونی تقاضے بھی پورے نہیں کئے تھے۔ مزدوروں نے اپنے حقوق کے حصول کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس پراپیگنڈے کو روکیں کہ مزدور پوری پیداوار نہیں کرتے۔ ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ مزدوری پیداوار کو رکھتے ہیں۔ اس میں مزدوروں کو تجربہ بھی ہوا کہ پیداوار پر کیا لاگت آتی ہے اور اسے صارفین کے ہاتھ تک دھوپ پر فروخت کیا جاتا ہے۔ اس عمل کے دوران کسی سیلٹر یا عملے کے رکن کو مجبور نہیں کیا گیا تا کہ یہ نہ کہا جاسکے کہ معاہدہ دباؤ کے تحت ہوا تھا۔

دلیکا جیسے سرمایہ دار سے مطالبات منوانے پڑیں گے۔ ہماری جدوجہد پاکستان بھر کے تمام دلیکاؤں کے خلاف اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مل مزدوروں اور کھیت کسٹوں کی ملکیت قرار نہیں دے دیئے جاتے۔

قومی محاذ آزادی جموں و کشمیر سے لا تعلقی کا اظہار

ہفت روزہ الفتح، کراچی، ۱۸ مارچ ۱۹۹۹ء فروری سنہ ۱۴۲۰ھ

کی اشاعت میں میر محمد امانی کا انٹرویو پڑھ کر مجھے سخت ذہنی کوفت ہوئی کیونکہ میرے نام کو قومی محاذ آزادی جموں و کشمیر کی سرگرمیوں میں خواہ مخواہ ملوث کر دیا گیا ہے، میں بے حد شکر گزار ہوں گا اگر آپ انٹرویو میں میرا واضح بیان شائع کر دیں۔

۱۹۹۶ء میں اپنے بھائی کے انتقال کے سلسلے میں کڑوہ بیشک آباد کشمیر جایا کرتا تھا۔ وہ علحدہ مقبرہ کشمیر سے زیادہ دور تھا۔ جہاں میرے رشتہ دار رہتے تھے۔ اپنے بھائی کی ریم تلی سے ناراض ہونے کے بعد میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے جگ بند ی لائن کے اس پار گیا۔ میرا یہ فیصلہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔ اس سلسلے میں میں نے کسی سے مشورہ تک نہیں کیا تھا۔ توبہ کشمیر میں میری طمانت متبول احمدیٹ سے ہوئی معلوم ہوا کہ وہ وہاں کسی شخصیت پر تھے۔ ہماری یہ طمانت عمن افغانستان تھی۔ پاکستان میں واپسی کے بعد میں نے ان کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ میں اس بات کی وقت مناسبت گھنٹا ہوں کہ میرا تعلق کسی پولیٹیکل یا پارٹیشن تحریک سے نہیں ہے۔ میں تمام متعلقہ افراد سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرا نام کسی ہم جوئی کی تحریک میں ملوث نہ کریں۔ لیکن ہے میرا نام کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کی کوشش میں استعمال کیا جا رہا ہو۔

یہاں کڑوہ بیشک آباد کشمیر میں رہتا ہوں۔ کشمیر اور کشمیر پر پشاور کینٹ



## دلیکا ملز میں مزدوروں کو بھرتی پس مجبور کرنے کے لئے سرمایہ داروں نے سلیب بند کر دیں

محلے کے جاتے ہیں۔ ایک مزدور دوسرے مزدور کا خون بہاتا ہے۔ اس عالم میں مالکان عیش کرتے ہیں۔ بھوٹ ڈولانے کے لئے اپنے سے حربے استعمال کرتے ہیں۔ نور خاں نے مزدوروں کے ساتھ جو ظلم کیا ہے، اسے تاریخ معاف نہیں کرے گی۔ رہا ہے ٹھہر آج کل مزدوروں، کسٹوں کے نام اپنی مکان

کیا جاتا ہے۔ اس عمل کے دوران کسی سیلٹر یا عملے کے رکن کو مجبور نہیں کیا گیا تا کہ یہ نہ کہا جاسکے کہ معاہدہ دباؤ کے تحت ہوا تھا۔ دلیکا جیسے سرمایہ دار سے مطالبات منوانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ واحد کارخانے دا ہے جس نے ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک کسی یونین کو کام نہیں کرنے دیا اس





داؤد کاٹن ملز لیبر یونین کے فنانس سیکرٹری کی  
السناک داستان

## پولیس نے مار مار کر شیخ محمود کا جبارہ بانہر کال دیا

وہا بہ حدیقی

یہ ۲۶ مارچ ۱۹۷۰ کی سہ پہر  
تھی۔ داؤد کاٹن ملز کے افسر بیکار

خاص، ایس ایس جعفری کے کمرے سے انسانی  
چھین بند ہو رہی تھیں۔ ان میں درد و کرب تھا۔  
آہ و فغاں تھی۔ یہ اتنی دردناک تھیں کہ لوگ مڑوس  
بڑنا تھا کہ کمرے میں کسی کو بچے کیا جا رہا ہو۔ ان  
چیزوں کے ساتھ ساتھ ہنسی، ٹھٹھے اور خوش مذاق  
کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ لیکن درد و کرب کی  
آوازیں غالب تھیں۔ ان آوازوں کے درمیان  
کبھی کبھی جید الفاظ بھی فضا میں بکھڑے تھے۔  
”یہ منسرافت فنانس ہے“ ”تیرے“ ”سید  
تقریر کو دیکھنا ہے، تم بہت اچھی تقریر کرتے  
ہو۔“ کمرے کے دروازے پر سیٹھ ابو، ملز کا  
افسر بیکار خاص ایس ایس جعفری، سردس فیچر  
محمد علی، لبر آفیسر غلام احمد، عبدالغفور، ویونگ  
ماسٹر اور انتظامیہ کے دیگر ارکان کھڑے  
تھا۔ دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوشی  
رقصاں تھیں اور کامرانی جھلک رہی تھی۔

”یہ کون چیخ رہا تھا۔“ ”یہ داؤد کاٹن ملز کے  
ایگزیکٹو ڈائریکٹر کا ڈرائیور ہے جو تھوڑے گز  
۱۶ سال سے سیٹھ داؤد، سیٹھ ابو اور ایس۔ ایس  
جعفری کو گرمی اور سردی سے بچا رہا تھا۔ جو  
ویونگ ڈیپارٹمنٹ کے درجہ حرارت کو اعتدال  
پر رکھتا تھا۔ جس نے داؤد کاٹن ملز میں اس  
وقت ملازمت کی تھی۔ جب داؤد کی صرف  
ایک مل تھی۔ اور اس کی بھی چار دیواری خاردار  
تاروں سے بنی ہوئی تھی۔ یہ وہی شیخ محمود تھا  
جس کی شب و روز محنت نے کل کے ٹٹ  
پونجیا“ داؤد کو آج ملک کا سب سے بڑا ملائیلا  
بنادیا ہے۔ اتنا بڑا کہ وہ حکام اور پولیس کو  
اپنے اشاروں پر چلتا ہے۔

شیخ محمود کا جرم کیا تھا؟ اسے انسانیت  
سوز ظلم کا کیوں نشانہ بنایا جا رہا تھا؟ صرف  
اس لئے کہ اس نے سیٹھ داؤد کے استحصال کے  
خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اپنا اور دیگر مزدوروں کا  
حق طلب کیا تھا۔ اور اس کا سب سے بڑا جرم یہ  
تھا کہ وہ محنت کشوں کی نمائندہ جماعت۔ داؤد  
کاٹن ملز لیبر یونین کا خازن تھا۔ سرمایہ دار نظام  
میں اپنا حق طلب کرنا۔ استحصال کے خلاف آواز  
بلند کرنا اور یونین سازی ناقابل معافی جرم ہے۔

شیخ محمود کو اسی جرم کی سزا دی جا رہی تھی۔ اور  
سزا دینے والے پولیس کے حکام تھے جو لوگ  
کے محافظ کہلاتے ہیں۔ لیکن ان کے نزدیک ملز  
کی حفاظت کا مطلب ”استحصالی طبقوں کی حفاظت“  
ہوتا ہے۔

داؤد کاٹن ملز میں کھیلے جانے والے اس  
ہولناک، خون آشام اور انسانیت سوز ڈرامہ  
کی رونا داؤد شیخ محمود کی زبانی سنئے۔

”داؤد کاٹن ملز کے مزدوروں نے اپنے مطالبات  
کو تسلیم کرانے اور سیٹھ کے ظلم و تشدد کے خلاف ۲۵  
مارچ ۱۹۷۰ کو ہڑتال کی۔ ہڑتال قلعی طور پر کامیاب  
تھی۔ لیکن کراچی کی انتظامیہ اور پولیس نے ہڑتال  
ختم کروانے کے لئے لائڈھی کو پولیس اسٹیٹ  
میں تبدیل کر دیا۔ ۶ مارچ کو یہی قومی مزدور  
محاذ لائڈھی کے دفتر واقع نورمنزل میں بیٹھا  
ہوا تھا کہ سوا دو بجے ایس ایچ او عبدالعزیز کی  
سرکردگی میں پولیس دفتر میں داخل ہوئی۔ وارنٹ  
گرفتاری کے بغیر حایل عظمیٰ، مسیح الرحمن، مجھے

اور دیگر مزدوروں کو گرفتار کر لیا۔ اور تھانے  
لے جانے کی بجائے سیدھا داؤد ملز لے گئے اور  
ملز کے افسر بیکار خاص ایس ایس جعفری کے کمرے  
میں بند کر دیا۔ اس کمرے میں ہمارے علاوہ  
غلام قادر، محمد اکرم اور دیگر مزدور بھی موجود  
تھے۔ اس حبس بیکار کو آدھا گھنٹہ ہوا ہوگا کہ  
اسے ایس آئی عبدالشکور، سب انچیکر عبدالقیم  
چار سپاہیوں سمیت کمرے میں داخل ہوئے  
اندر آتے ہی عبدالشکور سے ایس آئی نے جو  
شراب کے نشے میں چور تھا۔ مجھے لائق اور  
کوٹ پر دھریا۔ سیٹھ ابو، ایس ایس جعفری،  
غلام احمد، محمد علی، عبدالغفور اور انتظامیہ کے  
دیگر ارکان کمرے کے دروازے پر کھڑے پولیس  
کی بہت بڑھا رہے تھے۔ عبدالشکور آتا جاتا  
تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ”یہ منسرافت فنانس  
ہے۔“ لیدر تقریر کو، سیٹھ تمہاری تقریر سننے  
آیا ہے۔“ وغیرہ۔ اس کے بعد مجھے زبردستی سب  
کے سامنے برہنہ کر دیا گیا۔ فرش پر نہنے کے بل

رہا کہ چار سپاہی میرے ہاتھ پیروں پر کھڑے  
کر دیئے گئے۔ اس کے بعد عبدالشکور نے  
”جج پٹر“ سنبھالا۔ یہ تیل میں تر تھا۔ اس کی  
ایک جانب لکھا تھا ”آجا مورے بالما تیرا  
انتظار ہے۔“ اور دوسری جانب لکھا تھا۔  
”دس دس جن کتھے گذاری لے وات دے“  
شکور نے اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ منہ  
پر پانی کے جھینے مارے اور جب ہوش آیا تو  
عبدالشکور اور پولیس کے دیگر ارکان یہ کہہ کر چلے  
گئے کہ ”بہت سخت جان ہو۔ رات کو پھر نہیں  
دیکھیں گے۔“

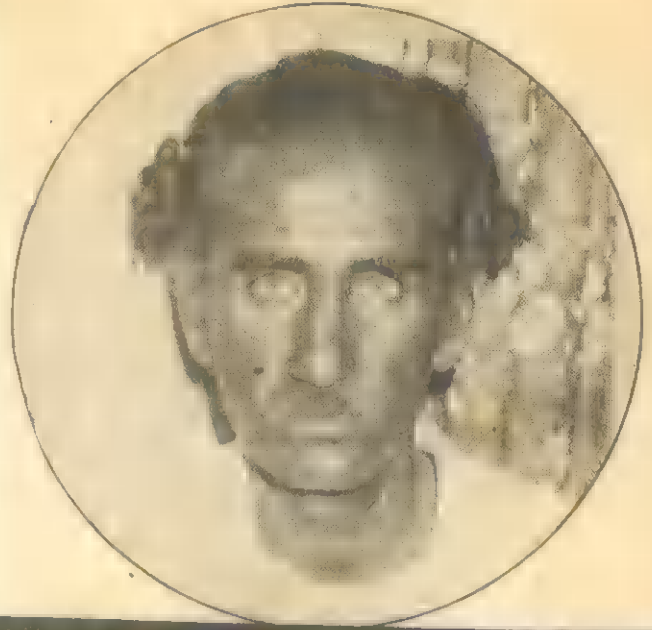


# کٹہرے میں

سید عبد الحمید عدم

ایک تازہ اور نہایت ضروری قطعہ منبر پر کھڑا  
کر رہا ہوں۔ اس قطعے کا خطیبہ "الفتح" کے  
ایک دلیر اور ایمان افروز بیان سے ماخوذ ہے  
عدم

مذہبی بہروپتے۔ تار یک رو۔ شیطان نژاد  
کل کٹہرے میں۔ یہ پوچھا جائیگا تجھ سے۔ بزدل



## دوسرے کے سامنے مزدور ہنگامہ کار کے تقریر کرنا

ہنگامہ کار کی گئی ہوئی تھی۔ عبدالشکور نے میری  
پہلوں پر ڈنڈے بوسانے شروع کر دیئے۔  
اور کہا "تہا را صد آریا ہے اس کا استقبال  
کر دینا جب وہ مار مار کر تھک گیا تو تھوڑی  
دیر آرام کرنے کے بعد خواجہ نجیب الدین کو  
برمنہ کے مارا۔ پھر اقبال کی باری آئی۔ اسے  
بھی مادر زاد برمنہ کر دیا گیا تھا۔ اقبال کو مارتے  
مارتے عبدالشکور ایک دم چھ پرل پڑ لائے  
اور مکوں کی بارش کر دی۔ بالوں کو پکڑ کر دیوار  
سے سرگرایا اور میرے منہ پر کے مارے۔ جس  
سے میرے دوا پر کے اور ایک نیچے کا دانت  
ٹوٹ گیا۔ اور باقی تمام دانت ہل گئے۔"  
"اگلے دن شام کو چار بجے میں کالا بڈ کے  
تھانے لے جایا گیا۔ رات وہاں کے حوالات  
میں گزار دی۔ ۲۸ مارچ کی شام کو جیل بھیج دیا  
گیا۔ جیل کے حکام نے متعدد درخواستوں کے  
باوجود طبی سہولتیں نہ دیاں تھیں کبھی صرف اے  
پی سی کی گولیاں ملتی تھیں میں کوئی ڈیڑھ ماہ  
بھگ بیٹھا نہیں بیٹ سکا۔"  
یہ تھی پولیس کے ظلم و تشدد کی داستان  
شیخ محمود پر جبر و استبداد کی داستان یہاں ہی  
ختم نہیں ہوتی بلکہ بہت طویل ہے۔ قانون  
کی رو سے شیخ محمود کو گرفتاری کے بعد ۲۴  
گھنٹوں میں عدالت کے سامنے پیش کرنا  
چاہیے تھا۔ لیکن اسے عدالت کے سامنے  
ماہ مئی میں پیش کیا گیا۔ یعنی گرفتاری کے

مسجدوں کو۔ مورچہ خانے بنا کر ظلم کے  
کس نے مٹی دین کی۔ کی تھی کراچی میں پلید

آپ کا شمار  
معزز کرم فرماؤں میں ہے  
اعداد و شمار میں نہیں!

ترقی پسند

یونی این

بین الاقوامی - بیکاری

یونائیٹڈ ٹیکنیکل لمیٹڈ

سینٹرل ایجنسی

U8L.C.4.70.U0

LINTAS 88



ہر سال امریکہ اور اس کے زرخیز علاقہ ویت نام کے حریت پسندوں اور بچے عوام کے حالات نے  
تسری سال کی خوشی میں ظلم و ستم کا سلسلہ چند ایام کے لئے روک دیتے ہیں اور پھر  
دوبارہ وہی کھیل بہیتے کا شروع کر دیا جاتا ہے۔ اس سال بھی نئے تسری سال کی  
خوشی میں ان ڈھکٹوں نے جنگ بندی کا اعلان کیا ہے اور ظاہر ہے کہ چند دن  
گزر جانے کے بعد اس دفعہ بھی حسب معمول ظلم و ستم کا یہ سلسلہ پھر اس طرح  
شروع ہو جائے گا۔ جنگ بندی کے اس مختصر وقفے کے تاثرات اس نظم کے جات ہیں

## نیا برس ہوتھیں مبارک

شاعرہ انصاری

تھکن اتاریں گی مدتوں کی

وطن کے دریاؤں کے کٹاؤں

حریر سلیوں پہ پھر سے کچھ دن

حسین مجھ سے چلیں پھر میں گے

عدو کے گرتے ہوئے بوسے

نہ کہہ کر چوڑے کڑے پڑیں گے

وہ اُن ڈھکٹوں کے دیو شکوں کی

اب نہ چینیں سنا دیں گی

جوان بیٹوں کی گرم لاشیں

نہ اب تڑپتی دکھائی دیں گی

نہ اب وہ دشمنوں کے کرگسوں کو

بھپٹا دیکھیں گے اور کچھ دن

نہ اب فضاؤں میں کوئی راکٹ کرکٹا دیکھیں گے اور کچھ دن

نہ وہ بد رگوئیاں چلیں گی

نہ غم سے اب ہڈیاں گلیں گی

نہ اب کسی دن وطن کی جھیلیں بوسے سیاب پار ہیں گی

رُکے رہیں گے اگر دھاکے

تو اُن کے بوسے جیسے بدنوں کے اب پر خچے نہیں اڑیں گے

لہو کا بازار تیز ہو گا

نہ پھٹنے گولوں سے اب مسلسل

زمین کے تن میں شکافت ہوں گے

چھٹے رہیں گے غبار کچھ دن

نہ بوسے گندھک سے دم گھٹے گا

دھلے رہیں گے سب سوریے

جبیں لالہ و نسترن پہ

جڑے ستاروں کی روشنی میں

دھوئیں کی آبریشیں نہ ہوں گی

لگنے رکھ کر کنول پھیل چیں کی دھوپ میں نہیں گے

حسین جھیلوں میں جب تراکت سب ہیں گے

بڑے سب ہیں گے

چلیں گی اب ریشیں ہوائیں

مزے مزے سے اور ہولے ہولے

ڈرمی دھاکوں کی ٹھکڑوں کی

نیا برس ہوتھیں مبارک

نیا برس ہوتھیں مبارک

تھیں مہنوی کے باسیوں کو

تھیں اے ہوچی کے ساتھیوں کو

تھیں مبارک ہواہل و تنام

تھیں مبارک شکار نیام

نیا برس ہوتھیں مبارک

نئے برس کی خوشی میں کچھ دن

ویار منسٹر میں رہنے والے

یہ خون انسانیت کے تاجر

سنا ہے ناغہ کریں گے کچھ دن

سنا ہے مقتل نہیں کھلیں گے

سماں نہ بارود بار ہو گا

ستم کے اب ہوں گے زرخ اوچے



اُبلتے بے کیف پانیوں کو سکون چپے نصیب ہوگا  
 زخم مردہ سی زندگی جو کہ  
 گیٹی مٹی کی خندقوں میں نوں برسوں سے دب رہی تھی  
 کہ جن کے لقموں کے ذائقوں میں  
 تشدد گرمی سے گھٹے سڑتے سے لحم انساں کی بُورچی تھی  
 پنہ گہوں سے نکلتے آتیں گے  
 جوق در جوق  
 بوڑھے بچے، تشدد زخمی  
 غصیف و ملوج غصولے کر  
 یوں فوج در فوج اپنے اندھے بوں سے باہر قدم رکھیں گے  
 کہ حشر میں جیسے اپنی اپنی لحد سے  
 صدیوں کے سوتے ہوئے مڑے لکل سبے ہوں  
 کہ جس طرح ریتی زمینوں پہ  
 سخت بارش کے بعد گرمی سے  
 تاحہ نظر خزاروں سفید گھمبیں سی اُگ رہی ہوں  
 یہ مرد و خواتین، بوڑھے بچے  
 یہ نو لے لنگڑے، یہ گرتے پڑتے  
 یہ دُکے دُکے، یہ سہے سہے  
 یہ اکا دکا  
 وطن کے باسی وطن میں دکھیا  
 جلے درختوں میں چھپتے چھپتے  
 ہلکتی راہوں سے سسکیاں لے کے

دھکتے جھکات سے فقاں لے کے  
 وہ لہلہ میں بس کھیاں لے کے  
 ننگے پاؤں درانیاں لے کے  
 حسرتوں کا مال لے کر  
 دُکھتے کندھوں پہ جال لے کر  
 اب اپنے اپنے گھروں سے نکلیں گے عازم کا و بار ہو کر  
 جب اپنے مانوس پانیوں سے وہ بال کھینچے غم کے مارے  
 جگہ جگہ پر کاوٹوں سے  
 وطن کی غرقاب کشتیوں سے  
 وہ مُردہ جسموں کی ہڈیوں سے  
 وہ جال اُلجھیں گے اور چھنیں گے  
 جو زور ماریں گے وہ بچارے  
 اگر جو مشکل سے کھینچ پاتے  
 تو اس لڑائی میں مرنے والوں کے چند اعضا کے ماسوا  
 جال میں اور کیا ملے گا۔  
 کلیجہ پھر تو سوا بنے گا۔  
 مجاہدوں کی جوان بہنیں  
 پٹیا پرانا لباس پہنے  
 جوانی ویران دکھتی آنکھوں کے سُرخ سو جے ہوئے  
 پیوٹوں میں کچی نیندوں کا بوجھ تھا  
 سروں میں برسوں کی دھول لے کے  
 حسیں جبینوں پہ  
 گول باہوں پہ  
 کچھ خراشوں کے پھول لے کے  
 یہ ٹوٹی ٹوٹی سی گاگریں لے کے  
 مَرچ مَرچ سی چھاگیں لے کے  
 انھیں شکستہ مزاج گھاٹوں کی اور پھر روانہ ہوں گی  
 اب اپنے اپنے گھروں سے نکلیں گے عازم کا و بار ہو کر  
 کیں جو ابھی سی جھاڑیوں میں  
 کسی پھر پرے جوں کا لاشہ  
 اگر چہ پھولا ہوا بھی ہوگا  
 مگر بہن ہے جو دیکھ پاتے گی  
 چیخ نکلتے گی جان جائے گی  
 کنارہ دریا کھڑے درختوں کی ننگی بے برگ و بار شاخیں  
 حسین شفات پانیوں میں  
 جو عکس بیمار دیکھ پائیں  
 تو اپنی اپنی برہنگی کا ذرہ سا احساس کر سکیں گی  
 نہ جی سکیں گی، نہ مر سکیں گی  
 اگر وہ چاہیں  
 تو ننگی باہیں  
 یہ سبز تہوں اور تازہ پھولوں  
 کے سُرخ گجروں سے اتنی جلدی نہ کر سکیں گی  
 کہ نام پر من و آشتی کے  
 رستم کا آغاز پھر سے ہوگا





# عوامی نمائندوں نے خوب کھائی کی اور عوام منہ دیکھتے رہ گئے

اشرف شاد

مبادیہ سال پہلے آبادی سے میلوں دور بیت کے یلوں کی ایک بستی تھی۔ جہاں جھاڑیاں اگتی تھیں۔ مٹی کے طوفان چلتے تھے۔ یا دیوانی راج کرتی تھی۔ مٹی، ریت اور دیواروں کے اس دیس سے پنڈرہ بیس میل دور جنگوں اور محلوں کے شہر میں لے چٹے مہاجروں اور مزدوروں اور بے روزگاروں اور ملک کے دوسرے علاقوں سے ہجرت کی خاطر اپنی محنت بیچ دینے کے لئے صنعتی شہر کراچی میں قدم رکھنے والے مضبوط اور توانا جسم والوں کی جھونپڑیاں تھیں۔ جن میں جھوک و نملا س اور گندگی و غلاظت چھنکاتی تھی۔ جہاں کے لوگ روٹی اور پناہ کے ساتھ بانی ملک کو ترستے تھے۔ یہ گندگی کاموں اور جنگوں کے اس شہر میں تھی جسے پیرس کی طرح شہناں سترا اور جنگ کا تاد بچنے کی تمام صرف نوکر شاہی کے ان افراد کو ہی نہیں جھپٹی یہاں کے کلب اور بار بہت جاتے ہیں بلکہ متوسط طبقے کے ان جوانوں کو بھی ہے جو اپنی شامیں "الٹی" اور بوسری بازار کی گلیوں میں رنگین بناتے ہیں۔ پیرس بنانے کے لئے شہر کے وسط سے جھونپڑیوں اور جگہوں کے "خاخ" دھونے ناگزیر ہوئے تو بیس میل دور مٹی، ریت اور

دیڑ نیوں کے دیس اور ان جگہوں کے اتصال کے منسوبے نے جنم لیا۔ ان کی آباد کاری کے نام پر کروڑوں روپے کے اس فنڈز سے چار چار فٹ اونچی دیواروں کی ایک کڑے کے دو چھتی والے نام نہاد کوارٹر تعمیر ہوئے۔ شہر کی مزدور بستیوں کو نا جائز حیا و نزات قرار دیکر اٹھایا اور ان اطمینان کو اڑھاروں میں لاکر بیچ دیا گیا۔ یہ بستی کورنگی کہلاتی۔ اس کے برابر ہی لائڈھی تھی۔ جہاں آبادی کے کبھی ہلکے ہلکے نشان تھے۔ اب یہاں ریتوں کے ٹیلے نہیں لیکن ریت کے طوفان ہیں۔ جھاڑیاں اب بھی یہاں جا بجا اگی ہیں۔ لیکن یہ جھاڑیاں اب پتوں ڈالیں اور کانٹوں کی خود کرد جھاڑیاں نہیں بلکہ آتھالی نظام کی کوکھ سے اگنے والی منگی اور جھوک کی جھاڑیاں ہیں۔ اس بستی کے بیشتر گھروں میں ان جھاڑیوں کی جڑیں ہر روز مضبوط اور مضبوط تر ہوتی جا رہی ہیں۔ گندگی اور غلاظت آج بھی یہاں اس طرح راج کرتی ہے۔ مزدور کے تنگ و مضرتنگ بچے آج بھی یہاں گلیوں میں کالنج کی گولیسوں سے کھیل کر اپنی بھوک بھلاتے ہیں۔ اور یہاں کے سماجی کارکن، سیاست دان، مشین کورنگی کے نام سے تفریبوں کا اہتمام کر کے اسے مثالی بستی سے تعبیر کرتے

ہیں، اپنے اور دوستوں کی تصویروں کے منظر کی صورت میں مجھے شائع کرتے ہیں۔ بلدیہ اور اُس کی کارکردگی کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں۔ ہزاروں کے عطیات پاتے ہیں۔ قصبہ خروانی کا خوش رنگ صلہ حاصل کرتے ہیں۔

کورنگی لائڈھی بارہ سال پہلے ایوب خان کے دور میں سندھ کی گئی تھی۔ اس کی تعمیر اس فنڈ سے ہوئی تھی جو مہاجر فنڈ کہلاتا تھا۔ یہ فنڈ پیرسوں کے دوران میں ملک کے محیرہ عزات اور بیرونی ملکوں کی امداد سے لاکھوں کروڑوں تک پہنچا تھا۔ لیکن یہ بستی بس گئی تو ادارہ ترقیات کراچی کے ڈی ایس ایس، کراس کا مالک و مختار بنا کر اس بستی کے کمپنڈ کو گاہے لگا ہے تنگ کر کے کی دہر داری مہر دی گئی۔ کے ڈی ایس ایس نے یہاں کا منصب حکمرانی ہاتھ آتے ہی اپنے نام کی نسبت سے ہر اُس چیز کی ترقی میں دلچسپی لی جس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق اس کے افسروں، کلرکوں اور انسپکٹروں کی جیب سے ہوا کرتا تھا۔ ان کو اڑھاروں کی دلائل یا ان سے بے دخلی یہ سب کے ٹکڑے کے افسران بالا کی ابرو کی جلیشوں کی مرہون منت قرار پائی۔ ایوب خاں کی بنیادی جمہوریت والے



# ایس۔ بی۔ علی کی مقبولیت کا راز سوامر کی ملازمت میں نہیں ہے



چیز مینی ہزاروں روپوں میں خریدی تھی بلکہ لوگ تو اس کا تحفہ لاکھوں تک میں لگاتے ہیں۔ وہ بیوی پر تھکتے کے مالک تھے بھینٹ ایتھوں اور دوسری نیراتی اسٹیار کے یہ تھکتے نا جائز تجا وزات کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ واتس چیرمین ہوئے تو نا جائز تجا وزات کی حدود میں اور اضافے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی ٹھیکیداری کو بھی چار چاند لگے۔ لیکن ابھی وہ اپنی واتس چیرمین کی پوری قیمت نکال بھی رہے تھے کہ واتس چیرمین بننے کے سلسلے میں ان کے دوسرے حوالے ہوا ابابیم نے نہ وہ کوڑا۔ ایک لویل تصویر بندی کے بعد کئی چیرمین کی بھینٹوں تک و بنا کا وہ بار چھوڑ دیا اور گراؤ نہ ہو سکے۔ اور صی دن باہر آئے تو اسلام الیٹ صاحب جو ابھی تک بلدیہ کے ذریعے کوڑی لاکھوں کے ٹوام کی روگوں سے خون چورو کر اپنی دکانی ہوئی رقم پوری نہ کر پائے تھے۔ تحریک عدم اعتماد کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ محمد ابابیم بلدیہ کوڑی لاکھوں کے لئے ٹھیکیدار منتخب ہوئے۔

کی فکر میں گھومتے رہتے۔ پانی کی دعدہ وارٹوں بھی ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ لوگ گھڑی دیکھ کر تل کے پاس آس نکا کر مچھتے تو سمیت ہوتا تو وہ دو آنسو ٹپکا دیتا۔

## بلدیہ کوڑی لاکھوں

بارہ سال پہلے کوڑی کے آباد ہونے کے ساتھ مسائل کے انبار ہونے کا جو سلسلہ چلا تھا وہ اسی طرح چلتا رہا۔ ۱۹۶۶ء میں بلدیہ لائڈس کوڑی قائم ہوئی۔ بنیادی جمہوریوں کے منتخب کردہ چیرمین اس کے کونسلر بنے۔ اقتدار کی ایک نئی لنگا میں انہیں اشتہار کر کے کاموئع ملا۔ کوڑی کے ناکوں پر لنگیاں بن گئیں اور اس کے ساتھ ہی یہاں آٹے وال کے بازار میں بڑھنے لگے۔ فیصل احمد اس وقت کے چیرمین تھے اور اسلام الدین صاحب چیرمین۔ اسلام الدین صاحب نے یہ واتس

ارکین نے دلائی کا وھندا سنبھال لیا۔ اور اس طرح کوڑی لائڈس کے ان کوارٹروں میں رہنے والوں کو پریشان کرنے والی مشینز کا ہر کل پرزہ پوری طرح تیار ہو گیا۔ اس علاقے میں کے ڈمی لے کی ایڈمنسٹریٹر آفیسری پولیس کے تحائف کی طرح بیلا م ہونے لگی۔ جو اب بار میاں کلا ایڈمنسٹریٹر ہو کر نکلا اسی کی شبیہ سنبھال گئیں۔

## مسائل

میاں کے مسائل جوں کے توں ہے۔ اکثر علاقے پانی کے محتاج تھے۔ گندگی غفلت اور گسروں سے اُبلنے والی کچر کی انراط تھی۔ مچھروں کی افزائش نسل کے معقول انتظامات تھے۔ گویاں کھیلنے والے بچوں سے گلیاں باد رکھنے کے لئے اسکول کم سے کم تھے۔ جو تھے ان کا نہ ہونا بہتر تھا۔ بڑکیں بچکوسے کھاتی تھیں بسیں نخریوں سے چلتی تھیں۔ میرا کی سوغات ملتی تھی تو بہت سی دفتروں کے بعد لنگرے کوئے ایک ہسپتال سے لال رنگ کا ایک گرلا سا کچر اور دو چار گولیاں مل جاتی تھیں۔ دکانوں کی چھتیں ٹپکتی تھیں۔ ہوائیں ملتی تو چھین اڑ جاتے۔ ریت اڑتی تو گھر کی برجن پر۔ حتیٰ کہ صحن کی چکی مٹی تک پر چوری کا سنٹے دار دیت کی نہیں جم جاتیں۔ گلیوں میں راتوں کو کتوں، چروں اور گشت کرنے والی پولیس کے ان سپاہیوں کا۔ آج ہوتا جورات کی ڈیوٹی سے دایں آئے والے کسی شریف آدمی کو کچر کر اس سے نہ بچے۔

## ادارہ ترقیات کراچی کا

## کام سرانجام ہے کہ

## باشندوں کو تنگ

## کرنے کا فریضہ انجام

## دیتی رہے

فیصل احمد کھنڈے ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے جی یہاں خاصے اپنے پاؤں چلائے۔ اور کوڑی کے بے ناچ ٹھنڈا ہ کی حیثیت سے وہ یہاں کافی دنوں تک راج کرتے رہے۔ کونسلروں کی اکثریت اس زمانے میں ان کی نگلیوں پر ناچتی تھی اور وہ بلدیہ کے صاحب ہیں اپنے ذاتی استعمال کے لئے خریدی ہوئی "کارڈینا" گاڑی بے ٹیئرنگ کی طرح انہیں جس طرف چاہتے موڑ دیتے تھے۔ ان کے مفادات کی نگرانی، ٹرسٹ کے مقامی زمانے کے چیف پولیٹر کیا کرتے تھے جو معقول معاوضے پر اس قسم کے کام کرنے میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ میں اس زمانے میں اسی اخبار میں سب ایڈیٹر ہوا کرتا تھا۔ موصوف کو اس زمانے میں میں نے بڑی پریشانی کے عالم میں دفتر کے چکر کاٹتے دیکھا ہے جبکہ اسی اخبار کے ایک دوسرے رپورٹر نے (جو اپنی اس قسم کی ایمانداری میں مستوب بھی ہوئے) فیصل کی بدعنوانیوں کا پردہ چاک کیا۔ اور ان کے برخوردار چیف پولیٹر ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ لہذا جلد ہی

فیصل احمد صاحب کو اپنا بستر بویا سببٹ کر بلدیہ سے رخصت ہونا پڑا۔

چیرمین بدل گئے۔ واتس چیرمین تبدیل ہو گئے۔ لیکن مسائل نہیں بدلے۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ بلدیہ نے صحت و صفائی کا کام سنبھالا تو اس فرض کی ادائیگی اس طرح ہوئی کہ جمعہ کے روز مسجدوں کے ذریعہ لوگوں سے صفائی کا خیال رکھنے کی اپیلی کی جائے۔ کوڑا اٹھانے والی گاڑیاں ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت ناکارہ انجن اور دوسرے بیکار پرزوں کے باعث کے ڈی اے سے ادھار لی ہوئی بلدیہ کی عمارت کے سامنے مزید خواں رہے۔ تعلیم کے ضمن میں بھی خانہ پری کے لئے کئی اسکول کھولے گئے۔ لیکن ان میں سے کئی اسکول سالوں بعد پٹری ٹاٹ کے بورے اور ایک دو اسنادوں پر بشمول ہر سال کامیابی کے سرٹیفکیٹ جاری کرنے رہے۔ کچھ لوگوں



## کراچی کو پیرس بنانے



# اسلام الدین اور ابراہیم میں خورش کی وجہ بدنیہ کے ٹھیکے ہیں



مازمت کرتے ہیں۔ اور کورنگی لاندھی میں ان کے خاص آدمیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی انہیں خدمات کے سبب ان کے صاحبزادے بھی سوار کے ایک بل میں انجینئر ہیں۔ بلدیہ میں سوار والے اس بی علی صاحب چیرمین صاحب کے بعد سب سے زیادہ اہم شمار ہوتے ہیں اور لبرارات ان کے اختیارات کا دائرہ وائس چیرمین سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

اس تمام صورت حال میں وہ بلدیاتی کام جن کا تعلق عوام کی بھلائی سے ہے ٹنڈوں اور ٹھیکوں کی تقسیم اور کونسلوں کی باہمی سیاست کی نذر رہتے ہیں۔ اور انہیں تمام چیزوں سے مل کر کورنگی لاندھی کے باشندوں کے لئے کے ڈی اے کے بعد خود بلدیہ کو ایک مسئلہ بنادیا ہے۔ لیکن اب یہ مسئلہ صرف کورنگی اور لاندھی کے عوام کا نہیں رہا ہے۔ بلکہ اس بلدیہ کا دائرہ اختیار پورے سوڈ آباد تک بڑھا دیا گیا ہے۔ لہذا آئندہ سے پورے سوڈ آباد والے بھی کورنگی لاندھی کے اس غم میں برابر شریک رہیں گے۔

## اومنی بس سروس

کورنگی لاندھی کے لاکھوں باشندوں کے لئے اومنی مصیبت اور پریشانی کی علامت بن چکی ہے صبح گھر سے دفتر کو جانے والے ہزاروں مزدور کلرک اور مختلف پیشوں سے وابستہ افراد جب گشتی کے سارے داؤں پیچ استعمال کر کے اپنے سفید کپڑوں پر داغ یا پیٹے ہوئے کپڑوں کے نیچے چھپتے لئے اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں کی

وائس چیرمین بلدیہ لاندھی کورنگی کی کارگزاریوں پر کئی صفوں کا قصیدہ شائع کیا گیا۔ کونسلوں میں ایک صاحب ایس بی علی صاحب ہوتے ہیں جو اپنی فصیح و بلیغ گفتگو کے باعث بلدیہ کے بااثر حلقوں میں بہت مقبول ہیں۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بلدیہ کی ذیلی کمیٹیاں ان کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جاتیں۔ سات ذیلی کمیٹیوں میں سے سماجی بہبود اور صحت و صفائی کی دو غیر اہم کمیٹیوں کو چھوڑ کر یہ پانچ کمیٹیوں کے رہن ہیں۔ ان میں تعمیراتی کمیٹی، تعلیمی کمیٹی، ذیلی کمیٹی، تحقیقاتی کمیٹی اور اعتراضاتی کمیٹی شامل ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے۔ اور کوئی بھی کونسلر تین سے زیادہ کمیٹیوں کا رکن نہیں ہے۔ لیکن ان کی مقبولیت کا اصل پس منظر دوسرا ہے۔ اس بی علی صاحب اسے کے سوار کے پاس

## بلدیہ لاندھی کورنگی کے سابق

چیرمین نے بدنامی سے بچنے کے لئے ٹرسٹ کے ایک آرڈو روزنامے کے چیف رپورٹر کو بر خوردار بنا لیا، مگر باپ بیٹے کا وہند زیادہ دیر نہ چسپل سا

لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔ اور لوگ اس سوچ میں ہیں کہ اس سال کس کا مکان کورنگی کی شکل میں ڈھلتا ہے۔ لوگ اس بات پر بھی حیران ہیں کہ کورنگی لاندھی کی یہ ٹرکیس دس لاکھ روپے کے لگ بھگ کھا گئیں۔ لیکن ان کی شکل آج بھی برسوں جیسا ہے۔

بلدیہ کے وائس چیرمین اور کونسلروں کے منتخب نمائندے تھے۔ لیکن انہوں نے عوام کے اعتماد کو دھوکہ دینے کی روائیوں پر جس انتہا پسندی کے ساتھ عمل کیا وہ مثال حقیقت دکھتا ہے۔ عوام ایک نئے انتخاب کے مرحلے سے گزر چکے ہیں۔ وہ اپنے نئے نمائندے منتخب کر چکے ہیں۔ ابتدا اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بنیادی جمہوریت کے عمل کے دوران منتخب ہونے والے ان کونسلروں کے اپنے عہدوں پر برقرار رہنے کا کیا جواز ہے۔ وائس چیرمین کے عہدے پر جو صاحب بر اجماع ہیں وہ صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں اسی کورنگی لاندھی کے باشندوں کے ہاتھوں اس بری طرح ہارے ہیں کہ ان کی ضمانت تک ضبط ہو گئی۔ اس کے بعد اس عہدے پر جس پر عوام کے اعتماد کا نمائندہ ہی بجا نہ رہ سکتا ہے۔ ان کے برقرار رہنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔

صحت و صفائی کے سلسلے میں کورنگی لاندھی ۲۶ لاکھ روپے سالانہ کے ایم سی کے محو آباد ٹریسٹ پلان کو ادا کرتی ہے۔ لیکن سیوریج کا مسئلہ کورنگی لاندھی کے چند بڑے مسالک میں سے ایک ہے۔ اسی طرح اسکالرشپ کے نام پر ہر سال تیس ہزار روپے ادا کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہیں معامد کہ یہ اسکالرشپ کس کی سفارش پر کن کن خوش نصیبوں کو کن کن طریقوں سے دیئے جاتے ہیں۔ نجی اداروں کی امداد کی مددیں ۱۵ ہزار روپے سالانہ کی رقم مختص کی گئی ہے۔ اس مددیں سے گزشتہ دنوں جشن کورنگی منانے والوں کو جن کی نہ تو کوئی نمائندہ حیثیت تھی اور جو کسی ادارے کی نمائندگی کرتے تھے۔ ڈھائی ہزار روپے ادا کئے گئے اور اس رقم کے موضوع نام نہاد جشن کورنگی کے سلسلے میں نکالے جانے



پر ضمانت کی بارش اس شکل میں ہوتی کہ ان کے کوارٹر کو بڑھ سوا درود روپے میں کرانے پر لے کر کچھ اسکول بھول دیئے گئے اور سکول کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو تعمیراتی ٹھیکوں کی تقسیم کا حساب کتاب مدتوں بندر بانٹ کی نذر بنا دیا۔ وائس چیرمین صاحب کو بھی اپنی وائس چیرمینی اور صوبائی انتخابات کی ضمانت نکالنی تھی۔ لہذا وہ بھی اسلام بلدیہ کے نقش قدم پر بلکان سے کچھ دو ہاتھ آگے وائس چیرمین شپ کے پورے میں اپنی ٹھیکیداریاں مستحکم کرتے رہے۔

۱۹۷۱ء تک رٹوں کی مرمت اور درستگی پر ۹ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ لیکن یہ ٹرکیس ابھی تک اس حالت میں ہیں کہ جب بسیں ان پر سے گزرتی ہیں تو ان کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے لوگ معدوں کے حلق میں آنے کی شکایتیں کرنے لگتے ہیں۔ اس سال کے لئے اس میں ۲۵



ات نے مزدوروں کو شہر بدر کر دیا



## ایوب خاں کے بی۔ ڈی ممبرکب تک دلائی کرتے رہیں گے

روہی کی امیدوں کا مرکز ہوتی ہے ٹوگھڑی کی سڑیاں ان کی دیر سے آمد کا مذاق اڑاتی ہیں۔ اور اسی طرح جب وہ ٹھکے ہوئے اپنے گھروں کو واپسی کا قصد کرتے ہیں تو شفقت کا ایک نیا مرحلہ اپنی دہشتیں ہوتا ہے۔ رات کی تھکنوں میں کام کرنے والے واپس گھروں کو جانے کے لئے سبوں کے انتظار میں اکثر راتیں صدر کے فرش باتوں پر ٹھل کر گزار دیتے ہیں۔ ان سبوں کے منت بورڈ پر ٹنگ کر سحر کرنے والوں کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ شاید ستون دار پر سروں کے چراغ رکھے ہوئے گزرتے والے ایسی جیاے ہیں۔ یہ صورت حال گزشتہ چند دنوں کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ کورنگی لاندھی اور ان سے متعلق دوسری بستیوں کے عوام کو ادنیٰ کی چھری تلے یہ ستم چلتے ہوئے ہمیشہ گزرتے رہے ہیں۔

ادنیٰ کو جب فراہمی بستیوں کے روٹ پر اجارہ داری دی گئی تھی تو اس دعوے کے ساتھ کہ ان علاقوں کے باشندوں کو جو ایک عرصے سے بھی سبوں کی من مانیوں کے ہاتھوں برسوں سے ستم رسیدہ ہیں۔ ٹرانسپورٹ کی بہتر سہولت فراہم کر دی جائے۔ آرام سے سبوں میں سفر کر سکیں۔ اپنے دفتروں کو وقت پر پہنچ سکیں۔ ان روٹس پر اجارہ داری سے تنہا ہونے کا ایک حصہ تھی۔ کہ یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو پورے شہر میں ٹرانسپورٹ پیشانہ کر کے سرکاری ٹرانسپورٹ کے تحت دے دی جائے گی۔ پورے شہر یا ادنیٰ کا راج ہو گا اور لوگ چین کی قسمی بجائے ان سبوں میں سفر کیا کریں گے۔ لیکن یہ تجربہ اس بری طرح ناکام ہوا کہ جس سے پریشان ہو کر لوکی دھبہ مانگنے والوں کی طرح فراہمی بستیوں کے عوام بھی سبوں کو ان روٹس پر دوبارہ چلانے کی تمنا کر رہے ہیں۔

ادنیٰ بس سروس کے کارپروازوں کی تعداد ان کے انسپکٹروں اور دوسرے سپر وائزری اسٹاف کی مسافروں کے ساتھ بدتمیزیوں ایک متعلق رہا بیت بن گئی ہیں۔ گزشتہ دنوں ایک بس میں چڑھے ہوئے اسکولوں کے بچوں کو چلتی ہوئی بس سے ادنیٰ کے ایک انسپکٹر نے دھکا دے کر نیچے گرا دیا تھا۔ اور ان میں سے ایک بس کے پچھلے کے نیچے کچل کر ہلاک ہو گیا۔ جبکہ دوسرے بچے زخمی ہوئے

اس ترقی پر انسپکٹر کے خلاف کیا کارروائی ہوئی۔ یہ نہیں معلوم اس کے خلاف کوئی لاندھی کے طلبہ نے ادنیٰ کے خلاف مظاہرہ کر کے ایک دوسروں کو آگ لگا دی تھی۔ ادنیٰ کے خلاف اس احتجاج کو مقبوضہ اخبارات نے سانی ہنگاموں کا رنگ دینے کی کوشش کی تھی۔

سبوں کی صورت حال یہ ہے کہ کورنگی کی حدود میں بنائے ہوئے ڈیو میں سیکٹرڈوں بسیں لاوارث کھڑی ہیں۔ متعدد بسیں ورکشاپ میں مرمت طلب کھڑی ہیں۔ ان میں سے بعض سبوں میں صرف تھوڑی دیر کا کام ہوتا ہے لیکن وہ چینیوں کی کمینک کے ہاتھ گھنے کی منتظر رہتی ہیں۔ ادھر مسافروں کا اڑھام بس اسٹاپوں پر کھڑا ان کی نشان میں قصبہ خوانی کرتا رہتا ہے۔ تو کشمیری کی بدتمیزیوں نے ٹرانسپورٹ کی سہولتوں کو وسیع کر کے عوام کے ایک بڑے مسئلے کو حل کرنے کے اس پروجیکٹ کو ناکام بنا دیا ہے۔ کورنگی لاندھی کے عوام جیسے اس بستی میں ایسے ہیں اس عذاب کا مستقل شکار ہیں۔ اور انہیں دور دراز تک اسی مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔

### کمپنی ڈیولپمنٹ پروجیکٹ

فراہمی بستیوں کے لئے سماجی بہبودی صوبائی وزارت نے ڈیولپمنٹ پروجیکٹ قائم کئے تھے اس مسئلے میں ایک بڑے سرمائے سے مختلف مقامات پر عمارتیں بنائیں گے۔ ان کے لئے بڑے بڑے بجٹ منظور ہوئے لیکن بجٹ سے جو رقم حاصل ہوئی ان سے یہاں کے رہنے والوں کا بھلا نہیں ہوا۔ اگرچہ بھی توان نام نہاد مقامی سببست وائلڈ اور سماجی کارکنوں کا جیسی کی بدتمیزیوں کورنگی لاندھی میں ضرب المثل ہیں۔

ان پروجیکٹ پر جماعت موردی اور اسلامی جمیعت طلبہ نے خصوصاً بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ قبضہ جانے کی سازشیں کیں۔ کورنگی مٹ پر واقع پروجیکٹ کی مرکزی عمارت میں جس میں ایک آئیوٹریم اور متعدد کمرے اور کلب ہے رجعت پسندوں نے پوری طرح قبضہ کر رکھا ہے۔ کسے ایسیا کے پروجیکٹ کی عمارت ایک مقامی تاجر نے خریدا تھا کہ وہ دی گئی جس

میں عرصے تک وہ ایک انگریزی اسکول چلا کر اس سے پیسہ کماتا رہا۔ بہت سے پروجیکٹ ایسے ہیں جہاں برسوں سے انتخابات نہیں ہوئے۔ اور ان پیدائشی عناصر کا قبضہ ہے ان مراکز کے ذریعے سرکاری فنڈز کا بڑے پیمانے پر غلط استعمال ہوتا ہے۔ لیکن کوئی پوچھنے اور باز پرس کرنے والی طاقت نظر نہیں آتی۔

### مزدور بستیوں کی صورت حال

ان مزدوروں نے جن کے پاس کوآرڈوں کا ٹھکانہ بھی نہ تھا۔ لاندھی میں گھاس پھوس اور ٹاٹ سے اپنے رہنے کی جگہ بنائی ہے۔ یہ بستیاں ایک استعمالی معاشرے کے محنت کشوں کی حالت زار کی نمائندہ ہیں۔ یہ واقعہائی بلال کالونی، منظر آلو کالونی، قائمہ باد، نیچر کالونی، ان مزدوروں نے جو بستی لباٹی ہے۔ اس کی زمین داؤد نے خریدی ہے اور وہ اس زمین سے مزدوروں کی جھونپڑیوں کو اٹھانے کی دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔ مزدوروں میں اس مسئلے پر بہت اشتعال ہے۔ اور انہوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ یہ جگہ کسی قیمت پر نہ چھوڑیں گے۔

## شوکت صدیقی

## کے شہرہ آفاق ناول

# خدائی لستی

## کانیا ایڈیشن شائع ہو گیا

صفحات ۷۴ — قیمت ۱۲ روپے

### لفتح

### مطبوعات

بی۔ ڈی۔ سری کرشن ایریا  
بی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس۔ کراچی



# نکسن کمبوڈیا کی پھٹو حکومت کے سربراہ ہیں

شعبی فاروقی



## کمبوڈیا میں امریکی مداخلت کا تمام منصوبہ صدر نکسن کی ہدایت کے مطابق تیار کیا گیا تھا۔ اس کا انکشاف دہشت ہاؤس کے ایک ترجمان نے کیا ہے۔ صدر نکسن کی ہدایت پر بری افواج کو پیش قدمی کا حکم دیا گیا۔

اس سے قبل امریکی صدر نکسن نے اپنے بیرونی اثر و پولیس ویت نام سے ایک لاکھ پچاس ہزار فوجوں کی داپسی کا اعلان کیا لیکن سامراج کی ایک نہایت مکروہ چال تھی۔ نکسن نے خود اپنے ملک کے باشندوں کی بڑھتی ہوئی نفرت اور مداخلت کے دباؤ کو کم کرنے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مجرمانہ کوشش کی تھی اور اس طرح فوج کی اس نفری کو دیت نام سے جٹا کر کمبوڈیا کی سرحد پر بھونک دیا گیا۔

۶ مارچ ۱۹۷۰ء کو نیٹو جرنل لون نول نے امریکی سامراج سے ساز باز کر کے پرنس سہانوک کا تختہ الٹ دیا لیکن کمبوڈیا کے حزبیت پسندوں نے لون نول کی پھٹو حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی جس کے نتیجے میں سامراجی لیجنٹ لون نول کی حکومت خطرے میں پڑ گئی۔ اب اس کے سوا اس کے پاس کوئی چلہ نہ تھا کہ وہ اس نام نہاد حکومت کو برقرار رکھنے میں اپنے سامراجی آغاؤں سے امداد طلب کرے۔ اس وقت تک امریکہ میں صدائیں مچ چکی تھیں کہ امریکا نے اپنا حق جان بیکیں نے مشیر برائے قومی دفاع مارون لیونڈ کی رپورٹ کے مطابق صدر نکسن سے برٹن میں ملاقات سے دوران انہیں کمبوڈیا کی تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا اور صدر کے ہمراہ ہونٹن سے سالن کیلنٹ کے لئے روانہ ہوئے جہاں انہوں نے صدر نکسن کے مشیر برائے قومی دفاع کنگرے ملاقات کی اور کمبوڈیا کی

صورت حال پر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

۲۰ اپریل کو حزبیت پسندوں نے کمبوڈیا کے دارالحکومت پنہ کے جنوب مشرق کے شہر سانگ پوقھن کرنے کے ساتھ مزید دو شہروں سٹاول اور ناکیو کو بھی نشانہ بنایا۔ چنانچہ اس خبر کی اطلاع ملنے ہی صدر نکسن کنگرے کے ساتھ فوری طور پر واشنگٹن کے لئے روانہ ہو گئے۔

امریکی کو تقریباً ۱۰ بج کر ۵ منٹ پر اوہائیو دفتر میں داخل ہوئے اور چیف ڈسٹ ٹھہرنے کے بعد رنڈوئیٹ روم میں داخل ہوئے۔ جہاں پر جہاں اریسیج میں مشیر برائے داخلی امور اپنے معمول کے مطابق ٹیبل سے مصروف گفتگو تھے صدر نکسن ۸ بج کر ۲۰ منٹ پر فارغ ہوئے۔ اس کے بعد اوہائیو آفس پہنچے جہاں انہوں نے ۹ بج کر ۳۰ منٹ تک تنہا کام کیا۔ اس کے بعد صدر نکسن نے شہر قومی دفاع کنگرے اور سی آئی اے کے ڈائرکٹر سے ملاقات کی اور کمبوڈیا کی صورت حال پر اپنی غیر معمولی تشویش کا اظہار کیا اور اگلے دن قومی سلامتی کونسل کا اجلاس بلانے کی ہدایت کی۔ ۱۲ بج کر ۱۲ منٹ پر صدر نکسن اوہائیو آفس سے ایگزیکٹو آفس پہنچے۔ یہ دفتر دہشت ہاؤس کے مغربی حصہ میں واقع ہے جہاں کنگرے مارون لیونڈ ان کے منتظر تھے۔ لیونڈ اور کنگرے صدر نکسن کو کمبوڈیا کے حزبیت پسندوں کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں کے خلاف امریکی مداخلت کا مشورہ دیا۔ تاہم انہیں دیت نام سے فوجوں کی

داپسی کی صورت میں پیدا ہونے والے اثرات سے آگاہ کیا۔ ۶ بج کر ۲۰ منٹ پر براہ اجلاس ختم ہوا۔ وہاں سے وہی پر صدر نکسن دہشت ہاؤس میں قوم پرست چین کے نائب وزیر اعظم چیاگ چنگلو کے اعزاز میں دینے گئے ڈزیزین شرکت کی۔ ۱۰ بج کر ۵ منٹ پر وہاں سے رخصت ہو کر نکال سنگ روم پہنچے اور وہاں تقریباً ایک بجے رات تک کام کرتے رہے۔

دوسرے دن ۸ بج کر ۵ منٹ پر نکسن اپنے دفتر میں آئے جہاں انہوں نے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے انٹیلیجنس اور تحقیق و تفتیش کے ڈائرکٹر اے۔ ایس کلاٹن سے کمبوڈیا کے حزبیت پسندوں کی کارروائیوں پر تبادلہ خیال کیا۔ ۱۱ بج کر ۱۵ منٹ پر کنگرے آفس میں داخل ہوئے اور کنگرے کے بعد مزید ملز بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے تقریباً دس بجے تک آپس میں باتیں کیں۔ اس کے بعد نیٹو جرنل ہائی ڈاگٹ کے ساتھ ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ صدر نکسن ہی اس میٹنگ میں شریک ہوئے اور تقریباً تیس منٹ تک مذاکرات میں حصہ لینے کے بعد ان دونوں کو اوہائیو آفس میں آنے کی ہدایت کر کے لیج پر چلے گئے۔

۳ بجے نیٹو سیکورٹی کونسل کا اجلاس شروع ہوا جس میں صدر نکسن کے علاوہ نول اپریشن کے چیف تھامس مورر جرنل ایرل ڈیبلر سی آئی اے کے چیف رچرڈ ملز، مارون لیونڈ جان بول، ڈائرکٹر انٹیلیجنس جرنل ہارج اے ایفکس شریک تھے۔ اس اجلاس میں جو قراردادیں پاس ہوئیں وہ یہ تھیں:-

۱۔ لون نول کی حکومت کو سخت مشکلات درپیش ہیں جس کی بڑی وجہ اس کی فوج کی ناکامی و تربیت ہے۔ کمبوڈیا کے حزبیت پسندوں نے اپنی کارروائیوں میں اعناد کر دیا اور اس طرح انہوں نے ایک وسیع علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے۔ یہی ممکن ہے کہ وہ جلد ہی پورے کمبوڈیا پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہو گیا ہے کہ امریکی اخطائیہ لون نول حکومت

## امریکی عوام میں بڑھتی ہوئی نفرت کے سیلاب کو روکنے کے لئے نکسن حکومت کو کھلا ہٹ کا شکار ہو گئی ہے

لون نول کی حکومت کو سخت مشکلات درپیش ہیں جس کی بڑی وجہ اس کی فوج کی ناکامی و تربیت ہے۔ کمبوڈیا کے حزبیت پسندوں نے اپنی کارروائیوں میں اعناد کر دیا اور اس طرح انہوں نے ایک وسیع علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے۔ یہی ممکن ہے کہ وہ جلد ہی پورے کمبوڈیا پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہو گیا ہے کہ امریکی اخطائیہ لون نول حکومت

کمبوڈیا پر امریکی ہمارہیت اور ہند چینی سیم و مشینہ کاروائیوں کا تعلق سامراج کی اس گھناون سازش سے ہے جس کے تحت وہ سامراج کا تسلط افریقہ اور نوآبادیات کے علاقے میں برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ یہ مضمون اس سلسلے پر ہے سپر اسٹارٹ ہے۔





مواہن جیسٹوریہ نیپین کے عوام کمیونڈیا سیت امریکن جارجیٹ کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں

## امریکی سامراج دنیا بھر میں فوج کشی کے منصوبے پر عمل کر رہا ہے

ایسی دہائیوں کو صدر نکسن نے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جسے ڈیپو ایس اے گروپ کے پیچیدہ سوالات کے جواب تیار کرنا تھے۔

۲۴ مارچ ۱۹۶۸ء کو صدر نکسن نے نائب صدر ایگنو سے ملاقات کی اور انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد تین بج کر ۹ منٹ پر اعلیٰ فوجی افسران سے صدر نکسن نے کمیٹی روم میں ملاقات کی۔ اس میٹنگ میں فیش گارڈ ایسوسی ایشن، نیوی لیگ، ایئر وے فیڈرل ایسوسی ایشن، ریٹائرڈ ایئر وے ایسوسی ایشن، امریکی آرڈنس ایسوسی ایشن، ایسوسی ایشن آف پروڈیوٹرز، ایسوسی ایشن آف کارپس، لیگ نیشنل لائل ایسوسی ایشن، امریکن یونین کنسل اور فلیٹ ریڈر ایسوسی ایشن کے اعلیٰ افسران شامل تھے۔

صدر نکسن نے کیوبا میں حریت پسندوں کی کارروائیوں پر اپنی خوشنویسی کا اظہار کیا لیکن کمیونڈیا میں امریکی فوجی مداخلت کے بارے میں حالیہ فیصلہ کو بیان کرنے سے گریز کیا اور اس میٹنگ کے شرکاء سے کیوبا کی صورت حال پر بات چیت کرتے ہوئے امریکی مداخلت کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور کہا کہ اگر آپ لوگوں کی رائے شامل ہوتی تو انہیں امدادی جاسکتی ہے۔ آخر میں صدر نکسن نے ان اعلیٰ افسران سے کیوبا میں امریکی مداخلت کے بارے میں جلد ہی اپنے فیصلہ کا اعلان کرنے کا وعدہ کیا۔

ڈیپو ایس اے گروپ نے اسی دہائی کو تقریباً دو گھنٹے تک پروگرام کے مطابق فیش بک آپریشن کی دستاویز مرتب کی اور امریکی فوج کو پیش قدمی کی ہدایت جاری کرتے ہوئے کہا کہ ۲۰ اپریل کو ٹھیک ساڑھے سات بجے فیش بک آپریشن قدمی شروع کر دی جائے۔ اس دستاویز کو ٹاپ سیکریٹ کے طور پر تین لالغیوں سے لپیٹا گیا۔

۲۴ مارچ ۱۹۶۸ء کو صدر نکسن نے نائب صدر ایگنو سے ملاقات کی

باقی صفحہ ۳۴ پر

کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس امر کا بھی جائزہ لیا گیا کہ اس حملہ کا اثر سائیکان پر کیا ہوگا۔

۲۰ اپریل کو صدر نکسن نے پریٹ بیک فیش بک آپریشن اسکیم کو کامیاب کرنے کے سلسلے میں اپنی اور اس کے بارے میں کامیاب کے ممبران سے رائے طلب کی۔ کنگ، بلٹا، جیم، لیونڈ اور راجرس نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد فیش بک کو پہلے نشان بنانے کی تجویز پیش کی۔ کیونکہ اس علاقے میں امریکی افواج کو کم سے کم نقصان کا امکان تھا۔ ساتھ ہی سٹیٹ برائے خارجی تعلقات کمیٹی کے رد عمل پر بھی غور کیا گیا۔

صدر نکسن نے سائیکان میں متعین ممبران اور جنرل کرائٹن ابراہم کو فیش بک پر امریکی حملہ کی تفصیلات بتائیں اور ان کی رائے طلب کی۔

۲۸ اپریل کو ۱۱ بج کر ۲۰ منٹ پر صدر نکسن نے کنگ کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ وہ سٹیٹ کے تقریرین ممبروں سے ملاقات کریں اور صدر کے اس فیصلے سے انہیں آگاہ کریں۔ کیونکہ اب مزید بات چیت میں وقت خراب نہیں کیا جاسکتا تاکہ جلد از جلد مجوزہ منصوبہ کے مطابق پریٹ بیک اور فیش بک کو نشان بنایا جاسکے۔

امریکی نے ایک لاکھ

پچاس ہزار فوجی

ویت نام سے واپس

نہیں بلائے

مزدوری معلومات حاصل کیں۔ اس کے بعد نکسن نے دوبارہ کنگ سے رابطہ قائم کیا اور پریٹ بیک کے علاوہ دیگر علاقوں پر امریکی پیش قدمی کے منصوبے کے بارے میں بات چیت کی اور ساتھ ہی کنگ کو رور، ہل اور فلیٹین ہول رابرٹ ای کش میں ڈیپو ایس اے سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔

۲۴ اپریل کو صدر نکسن نے مذکورہ بالا افراد سے ملاقات کی اور جنرل فیش بک کو ویت نام میں امریکی فوج کی کمان سونپ دی۔ اس کے علاوہ امریکی افواج کی فیش بک پر پیش قدمی کے بارے میں بھی بات چیت کی گئی۔ اسی صبح کو صدر نکسن نے پریٹ بیک پر پیش قدمی کی ہدایات جاری کر دیں۔ ساتھ ہی امریکی فضائیہ کو جنوبی ویت نام میں موجود امریکی بری فوجوں کی امداد کی ہدایات دے دی گئیں۔ اس میٹنگ کے بعد کنگ نے فیڈرل کو بلا یا اور مجوزہ علاقہ پر پیش قدمی کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ ساتھ ہی ایک منصوبہ بھی تیار کرنے کی ہدایت کی۔

۲۵ اپریل کو فیڈرل نے کنگ کو منصوبہ پیش کر دیا۔ اس کے بعد کنگ نے جان اپرین سے ملاقات کی اور لیونڈ کے بندے ہوتے منصوبہ کو سامنے رکھا۔ اس پر ان دونوں میں بڑی دھڑک امریکی پیش قدمی اور اس کے اثرات و سحرات پر بحث ہوئی۔ آخر میں برٹے پایا کہ بیک وقت پریٹ بیک اور فیش بک کو نشان بنایا جائے۔

کنگ اس منصوبے کو لے کر ہیبرگ پہنچا جہاں اس نے صدر نکسن سے ملاقات کی اور اس منصوبہ کی تفصیلات کا جائزہ لیا۔ وہاں سے کنگ اور صدر نکسن ایک جلی کا پٹر کے ذریعے واشنگٹن نری یارڈ پہنچے جہاں انہوں نے جان اپرین سے ملاقات کی۔

۲۶ اپریل کو دوبارہ اس منصوبہ پر غور و خوض

کو بھاری تعداد میں اسلحہ کے ساتھ فوجی ماہرین بھی فراہم کرے تاکہ دشمن کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کو روکا جاسکے اور ساتھ ہی ویت نام میں تعینات امریکی فوجوں پر دباؤ بھی حد تک کم کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ اجلاس میں اس بات پر بھی اتفاق رائے ہوا کہ امریکی اختیارات ویت نام میں امریکی فوجوں کے تحفظ کے سلسلے میں موثر کارروائی کرے۔ چنانچہ برٹے پایا کہ جنوبی ویت نام میں امریکی بری فوجوں کو امریکی فضائیہ کی امداد ضروری ہے۔ یہ امداد امریکی فوجی ماہرین کی ہدایت میں دی جائے گی۔ اس اجلاس کا اختتام ۲۴ بج کر ۲۲ منٹ پر ہوا۔ لیکن صدر نکسن نے اس اجلاس میں کسی بھی فیصلے سے گریز کیا اور ذمہ دار ایجنسیوں کو حکم دیا کہ جنوبی ویت نام میں میڈگاڈوں کے قریب میں ۲۵ میل دور پریٹ بیک پر حملہ کا منصوبہ مرتب کرے تاکہ اسے فوری طور پر عمل میں لایا جاسکے۔

۲۳ اپریل کو کنگ نے واشنگٹن اسٹیٹ انکسٹ گروپ کی ایک میٹنگ بلانی جس کا قیام ۱۵ اپریل ۱۹۶۸ء میں عمل میں آیا تھا اس گروپ کا کام سیاسی اجمیت کا حامل ہے۔ یہ گروپ تمام ممالک میں خفیہ ذرائع سے سیاسی بحران کا جائزہ لینے کے بعد امریکی مفاد میں سیاسی بحران پیدا کرتا ہے اور پھر انہیں غیر مشروط طریقے پر امریکی مفاد کی خاطر استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ادارہ تمام ممالک کی فوجی نقل و حرکت پر گریز نگاہ رکھتا ہے۔ اس ادارہ کے سواہ بھی کئی گروپ ہیں۔ اس کے علاوہ اس ادارہ میں سیکریٹری آف اسٹیٹ برائے سیاسی امور، ایکسٹرنل جائنس، ڈیپو ایس اے، ڈیپو ایس اے، ڈیپو ایس اے، جنرل ایرل ڈیو، سی آئی اے کے کچھ افسران اسٹنٹ سیکریٹری مارشل گرین بھی شامل ہیں۔

۲۳ اپریل کو ڈیپو ایس اے گروپ کے پاس کیوبا میں مداخلت کا کوئی کاغذی پروگرام نہ تھا۔ لیکن پرنس ہانوک کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد اس ادارہ نے لورن فول کی حکومت میں ڈیپو ایس اے شروع کر دی اور مارش کے آخر میں معمولی امداد کی سفارش کی جس کے تحت اس نام نہاد حکومت کو اس کے ۴۸

نیم کی رائلٹیس بھاری تعداد میں ہیا کی گئیں۔ واشنگٹن اسٹیٹ انکسٹ گروپ کے اجلاس کے اختتام کے بعد کنگ نے علیحدہ علیحدہ مارشل گرین سیکریٹری ایڈمرل مورو، جنرل ایرل ڈیو، سی آئی اے کے افسران کے بعد نکسن نے کوم پین میں امریکی سفارتخانے سے رابطہ قائم کیا اور کیوبا پر امریکی حملے کے سلسلے میں





# کانگے پی جی

چین کے افسانہ نگاروں میں نوسون کا نام اہم ہے۔ افسانے کے فن کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں ان کی خدمات غیر معمولی ہیں۔ اپنی زندگی کے اولین دور میں انہوں نے ایک دانشور کی حیثیت سے چین کی روایتی ثقافت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور جدید مغرب کے مزاج سے بخوبی آگاہ تھے۔ ۱۹۲۰ء میں وہ عوامی انقلاب سے بے حد متاثر ہوئے اور دھیرے دھیرے ان کا فلم عوامی مساک اور انقلاب کا ترجمان بن گیا۔ وہ تقوڑے عرصے میں اپنے علمی، ادبی اور سیاسی کارناموں کے سبب طلباء اور دانشوروں کے حلقے میں بے حد مقبول ہو گئے۔

نوسون جس سماج اور کچھ کے پیداوار تھے وہ استعماری نظام کی کوکھ سے ابھرا تھا۔ جس میں انسان، انسان کا غلام بنادیا گیا تھا۔ زندگی کی نعمتیں صرف چند لوگوں کے لئے تھیں۔ بقیہ انسانوں کا انہو جانوروں کا ایک ایسا پرہ تھا جسے جب چاہا اپنے مفاد، مصلحت اور منصفہ کی بھینٹ چڑھا دیا۔ نوسون کا آزاد، انقلابی ذہن اس سماج سے لگانہ کھاتا تھا۔ انہوں نے ٹرے ہوئے جاگیرداری نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور ان کا فلم سراپا احتجاج بن گیا۔ انہوں نے اداکسزم کا مطالعہ کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ موجودہ ظلم و استعمار کا خاتمہ، سوشلسٹ انقلاب ہی کر سکتا ہے۔

نوسون ۱۸۸۱ء میں چین کے ایک شہر شاوزنگ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے خاندان کے افراد ملازم پیشہ تھے۔ آمدنی محدود تھی۔ ان کا سارا چین غربت اور تنگ دستی کی گود میں گذرا۔ شاوزنگ ہی میں افسانے لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ نیول اکیڈمی اور کان کنی کے ایک اسکول میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۰۲ء میں ٹوکیو گئے اور طبی تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد مسلسل تین سال تک مغربی ادب کا مطالعہ کرتے رہے۔ ۱۹۰۹ء میں چین واپس آئے اور معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ ان کا اصل نام زائوشون تھا۔ مگر ادبی دنیا میں نوسون کے نام سے مقبول ہوئے۔ جاپان سے واپسی کے بعد ان کا پہلا افسانہ ”ایک میڈم کی ڈائری“ تھا۔ ان کا یہ افسانہ مرتے ہوئے ظالم سماج کے خلاف پہلا احتجاج تھا۔

نوسون نے افسانے کے فن کو تفریح کی خاطر استعمال نہیں کیا۔ وہ ادب کو زندگی کا حصہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے ان کے اولین دور کی کہانیاں چین کے جاگیرداری سماج کے ظلم، جبر اور استحصال کا آئینہ تھیں۔ انہوں نے اس فن کے ذریعہ عوام کو اس گلے ٹرے سماج کے خلاف اکسایا۔ اور انہیں شعور دیا کہ اس معاشرے سے جلد از جلد نجات حاصل کرنے کی راہیں تلاش کرو۔

۱۲ کوپڑ میں مٹی مٹی تھی۔ یہاں آسنے والے عام طور پر محنت مزدوری کرنے والے ہوتے تھے۔ شراز کے گھونٹ کے ساتھ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے اس قدر فضول خرچی ان کے بس کی بات نہ تھی۔ ان میں سے چند ہی شاہانہ ٹھکانے بنوا کر بیٹھتے تھے۔ اس کے لئے وہ اندرونی کمرے میں چلے جاتے تھے۔ اور شراب کے ساتھ ڈش کا آرڈر دیتے۔ اور بڑے اطمینان سے شراب کی ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے اپنا وقت گزار لیتے تھے۔

میں نے بارہ سال کی عمر سے شہر کے ایک شراب خانہ میں ملازمت شروع کی تھی۔ میں باہر والے کمرے میں میری ڈیوٹی لگاتے ہوئے کہا کہ ”شکل سے بدھو“ نظر آتے ہو، صاف

شراب خانہ اپنے طرز کا واحد لوزہن اور منفرد تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی ایک چکر کمرہ ملتا تھا۔ جس میں چادری کی شراب کے لئے گرم پانی ہر وقت تیار رہتا تھا۔ قرب و جوار میں کام کرتے والے، دوپہر اور شام کے وقت اپنا کام ختم کرنے کے بعد اسی شراب خانے میں آتے، اور شراب کا پیالہ پی کر دن بھر کی جسمانی مشقت اور ذہنی پریشانیوں کو کم کرتے تھے۔ میں سال قبل شراب کا ایک پیالہ چاکر کوپڑ میں ملتا تھا۔ اور اب انہیں ایک پیالے شراب پر دس کوپڑ خرچ کرنے پڑتے تھے۔ شراب کے ساتھ چھلکے پر بھی انہیں پیسے دینے پڑتے تھے۔ گرام گرم، لذیذ گوشت کی ایک پلیٹ

سفرے کپڑے پہنے والوں کی قدمت تم ٹھیک طور پر جاننا نہیں دے سکتے۔

میرونی بارود میں پیلے پیلے اور تنگ کوٹ پہن کر آئے والے گاہکوں سے کاروبار کا نسبتاً آسان ہوتا تھا۔ لیکن ان میں سے بھی چند ایسے گاہکوں سے ڈبھیڑ ہوتی رہتی تھی جو شراب کا پیالہ بھرتے وقت ایک ایک قطرے پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اور جب میں شراب میں گرم پانی ملائے لگتا تو وہ خود پیالے کا منہ ہلاتے تھے کہ کہیں میں نے گھیلا تو نہیں کیا۔

گاہکوں کی جانب سے جب اتنی کڑی نگرانی شروع ہو جاتے تو کام میں یقیناً دشواری پیش آنے لگتی ہے۔ میرے پاس کو یہ جلنے میں زیادہ دن نہیں لگے کہ یہ کام میرے پس کا نہیں ہے۔

خوش قسمتی سے ایک باخدا عوامی نے باس سے میری سفارش بھی کر دی۔ چنانچہ مجھے شراب لنگنا کرنے کے معمولی کام پر لگا دیا گیا۔ اس کے بعد میں تمام دن اپنے فصول اور بے مصروف کام پر کھڑا رہتا تھا۔ میں نے اس نئے پوسٹ پر اپنے کام سے باہر کو مطمئن کر دیا تھا۔ مگر خود مطمئن نہ تھا۔ میرا سارا وقت بڑی بورت اور اکتاہٹ میں گزارتا تھا۔ میرے پاس کوپڑ سخت اور کھردرا تھا۔ گاہکوں کے چہرے کے تاثرات میں ناخوشگوار ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے پورے شراب خانے کا ماحول غم و اندہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ نظر آتا تھا۔ مجھے ہنسنے کا موقع صرف اس وقت ملتا جب باہر میں کانگے پی جی داخل ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔



کانگ بی جی لیے گاؤں پہننے والا واحد کانگ تھا جو کھرے ہو کر شراب نوشی کرتا تھا۔ بھاری بھر کم بد رونق، چہرے پر بے شمار خشکیاں، کہیں کہیں گہرے نشانات، بد وضع اور بڑھی ہوئی دائرہ صلی کا نشان۔ اس کا لمبا گاؤں میلا کھلا اور جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ گاؤں کو دس سال یا اس سے زیادہ عرصے سے دھویا نہیں گیا تھا۔ وہ اپنی گفتگو میں بودے پن سے بار بار محاورے استعمال کرتے گا عادی تھا۔ اس کا اصلی نام کانگ تھا مگر وہ تفریح لینے کے لئے اسے کانگ بی جی کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ جب کبھی باریں داخل ہوتا بر شخص اسے دیکھنے لگتا اور اس کا مذاق اڑاتے لگتا ان میں سے کوئی پکارا تھا :

”کانگ بی جی! آج تمہارے چہرے پر تازہ نشانات کیوں نظر آ رہے ہیں؟“ وہ ایسی باتوں کو نظر انداز کرتا ہوا سیدھے گاؤں پر آؤ اور نو کو پروردے کو گرا گم شراب کے دو پیالے اور چمکے گاؤں دیتا۔ اتنے میں کوئی اور جملہ کس دیتا۔

”تم نے آج پھر کبھی چوری کی ہوگی۔“ کانگ بی جی ایک دم سے بھڑک اٹھا۔ اپنی پیشانی پر خشک دانتے ہوئے کہتا، ”بلو جیک تریف آدمی کے نام کو بدنام کرنے میں تم لوگوں کو کیا مزہ ملتا ہے؟“

”شریف آدمی کا نام۔ کیا پرسوں تم بھی خاندان کے یہاں کتابیں چوری کرتے ہوئے نہیں پکڑے گئے تھے۔ اور کیا اس جرم میں تمہیں مارا پیٹا نہیں گیا تھا جس نے اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھا تھا۔“

اس بہتان پر کانگ بی جی سراپا احتجاج بن کر بچھ اٹھا۔ اس کی پیشانی موٹی موٹی شکنوں سے بھر جاتی۔ ”کتاب کی چوری چوری نہیں کہلاتی۔ ایک اسکا لے کے ہرگز چوری نہیں ہے۔“ اس کے بعد وہ کلاسک کا ایک محاورہ دہراتا۔ ”ایک شریف آدمی، غربت میں بھی اپنی شرافت کو برقرار رکھتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد وہ ایک سے محل محاورہ مزید جوڑ دیتا۔ جس پر پورا بار دیوار فہم بن جاتا۔

بار میں کانگ بی جی کے متعلق جگہ جگہ ہوتی، اس سے مجھے پتا چلا کہ وہ کلاسک کا طالب علم تھا۔ مگر امتحان میں کبھی کامیاب نہ ہو سکا۔ ذریعہ معاش کے لئے وہ کوئی راستہ منتخب نہ کر سکا۔

اس لئے وہ روز بروز غربت اور تنگ دستی کے دلدل میں دھنسا چلا گیا۔ اور تخریب بھیک مانگنے تک پہنچ گئی۔ خوش قسمتی سے وہ ایک اچھے خوش فیس تھا۔ نقل و رسمی میں اسے اتنا دل جاتا کہ وہ اپنے لئے چاول کی شراب خرید لیتا۔ کابل اور بلانوش تھا۔ اکثر وہ کتاب، کاغذ، قلم اور دستاویز لے کر مغزوں غائب ہو جاتا۔ اپنی اس عادت کی وجہ سے وہ اس قدر بدنام ہو گیا تھا کہ لوگ اسے کام دیتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اگر کہیں کام مل جاتا تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے۔ اپنی تمام خرابیوں کے باوجود وہ ہمارے شراب خانے کا ایک مثالی کانگ تھا۔ کیونکہ وہ شراب کی قیمت ادا کرنے میں کبھی ناکام نہ ہوا تھا۔ کبھی کبھی اس کے پاس پیسہ نہ ہوتا تو اس کا نام مفروضوں کے بورڈ پر کھریا سے لکھ دیا جاتا۔ لیکن وہ ایک ماہ کے اندر اندر اپنا قرض ادا دیتا۔ اور پھر بورڈ سے اس کا نام مٹا دیا جاتا تھا۔

کانگ بی جی شراب کا نصف پیالہ ختم کر لیتا تو اس کے زود خردوں کی گراہٹ میں نرمی آ جاتی اور چہرے کی کڑھکی ختم ہونے لگتی۔ اتنے میں پھر کوئی چٹکی لیتا۔

”کانگ بی جی، کیا تم واقعی لکھ پڑھ سکتے ہو؟“

جب وہ اس کا جواب نہ دیتا تو پھر اس پر جملہ کس دیا جاتا۔

”آخر اس کی کیا وجہ تھی کہ تم نیچے درجے کا سرکاری امتحان بھی پاس نہ کر سکے۔ طنز و تشبیہ کے جھپٹے ہوئے جملے، اس کے دل میں نشتر کی طرح اتر جاتے۔ اس کے چہرے پر اذیت کے کے احساسات پھیلنے لگتے۔ اور وہ بے قابو ہو کر اپنے جواب میں غلط محاورہ استعمال کر داتا۔ پس پھر کیا تھا، پورا بار بے ہنگم تہمتوں سے گونج اٹھتا تھا۔

ایسے موقعوں پر میں بھی اپنے پاس کی نادمگی کی پرہیزگارے بغیر تہمتوں میں شامل ہو جاتا تھا۔ وہ خود بھی اکثر کانگ بی جی سے تھمتوں کرتا تھا۔ کانگ بی جی بار کے دوسرے لوگوں سے گفتگو کرنا مقبول سمجھتا تھا۔ مگر میرے جیسے نوجوانوں کو اس سے وہ اکثر بات چیت کرتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھ سے پوچھا :

”کبھی تمہیں اسکول میں پڑھنے کا موقع ملا ہے؟“

جب میں نے اسے اثبات میں جواب دیا تو اس نے جھٹکا کہا ”پھر تو میں تمہارا امتحان لوں گا۔“

”آخر اس بھیک مانگنے نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ جو میرا امتحان لے گا۔“ میں نے اسے نظر انداز کر کے منہ پھیر لیا۔ کچھ دیر انتظار کے بعد اس نے بڑی عجلت میں کہا :

”تم نہیں لکھ سکتے۔ چلو میں تمہیں لکھ دیتا ہوں۔ اعداد کو ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھو۔ ممکن ہے کبھی تمہیں اپنا کاروبار کرنے کا موقع مل جائے۔ اس وقت حساب کتاب سے تمہیں بڑی مدد ملے گی۔“

اپنا کاروبار، اپنی دکان کھولنے کے احساس سے میرے پورے جسم میں برقی لہر دوڑ گئی۔ مگر مزید یہ خواب حقیقت سے بہت دور تھا۔ مجھے اس کی بات میں بڑا مزہ آیا۔ مگر نخوت سے جواب دیا۔ ”میں تمہیں دکھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔“

کانگ بی جی کا چہرہ روشن ہو گیا اس نے اپنی لاسی لاسی دو آنکھوں سے میری جانب دیکھ کر کہا۔ بالکل ٹھیک، ”ہوئی“ مگر چار مختلف طریقوں سے لکھا جاتا ہے۔ کیا تمہیں اس کا علم ہے؟“

میرے صبر کا پیمانہ بے نرم ہو چکا تھا۔ کچھ جواب دیتے بغیر اس جگہ سے چلا گیا۔ کانگ بی جی کو میرے رویے سے طول ہو گیا اور خاموشی سے اپنی انگلی شراب میں ڈال کر گھمائے لگا اس کا چہرہ بھگ گیا تھا۔

کبھی کبھی تہمتوں کا شور سن کر اڈوسس پڑوس کے بچے بھی جمع ہو جاتے تھے۔ اور کانگ بی جی کو گھیر کر مذاق اڑانے لگتے تھے۔ وہ انہیں اپنے ڈش سے گوشت کا ٹکڑا اٹھا اٹھا کر بچوں میں تقسیم کر دیتا۔ پھر بھی بچے اپنی جگہ سے ہٹنے کا نام نہ لیتے۔ اور ان کی آنکھیں پلٹ پر جھکی رہتی تھیں۔ کانگ بی جی پریشان ہو جاتا اور بیٹ میں گوشت کے بچے کچھ چند گروں پر اپنے ہاتھ رکھ کر کہتا۔ اب پیٹ میں کچھ نہیں بچا۔ لیکن کرو، پلٹ خالی ہو گیا۔ کچھ بھی تو نہیں بچا۔ بچے کانگ بی جی کی اس حرکت پر خوب ہنسنے اور تہمتے لگاتے تھے۔

موسم خزاں شروع ہو چکا تھا۔ ایک دن میرا باس بیٹھا ہوا حساب کر رہا تھا۔ اچانک اس

نے سر اٹھا کر کہا۔ ”کانگ بی جی جینوں سے نظر نہیں آیا۔ اس کی طرف تو کوئی نہ دیکھتے ہیں۔“ باس نے یاد دلایا تو مجھے احساس ہوا کہ واقعی کانگ بی جی ایک لمبے عرصے سے غائب ہے۔

”جیسی وہ کیسے نظر آئے گا۔“ ایک کانگ نے کہا۔ ”آخری بار اس کی اتنی پٹائی ہوئی کہ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔“

”اب۔۔۔ واقعی۔۔۔“ باس نے حیرت کا اظہار کیا۔

”وہ پھر چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ اس بار بد قسمتی سے اس نے ہسٹونگ پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”پھر کیا ہوا؟“

”کیا ہوا۔“ پہلے تحریری طور پر اس سے اعتراف کرایا گیا۔ اس کے بعد اس کی ٹھکانی کی گئی۔ یعنی رات بھر اسے مارا پیٹا گیا۔ اور آخر کار اس کی دونوں ٹانگیں بے کار ہو گئیں۔“

”پھر؟“

”پھر اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔“

”ہاں۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔؟“

”اس کے بعد۔۔۔ کون جانے اس کے بعد کیا ہوا۔ ممکن ہے مر چکا ہو۔“

باس نے اس کے بعد کوئی سوال نہ کیا۔ اور دوبارہ حساب کتاب کے رجسٹر پر جھک گیا۔

خزاں کا تہوار گزرتے ہی موسم تبدیل ہونے لگا۔ ہوا میں خشکی بڑھنے لگی۔ اور پھر سردی کا موسم سر پر آ گیا۔ میں اپنا سارا وقت ایسٹو کے قریب گزارتا۔ پھر بھی سردی محسوس ہوتی تھی۔ ایک دہپہر کو جب بارنسان پڑا تھا اور میں اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے اٹھ رہا تھا تو چانک آواز سنائی دی۔

”شراب کا ایک پیالہ گرم کرو۔“

موسم آواز جانی پہچانی محسوس ہوئی میں نے ہڑٹ کر آنکھیں کھول دیں۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے کھڑے ہو کر دیکھا۔ بار کے دروازے کے قریب کانگ بی جی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ سستا ہوا تھا۔ وہ بے حال اور ٹوٹا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ اس کی صدی چھٹ گئی تھی۔ اس کی ٹانگوں میں چٹائی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر اپنا جملہ ہلایا۔

”شراب کا ایک پیالہ گرم کرو۔“

باس نے بھی کانگ بی جی کی آواز سن لی تھی۔ چنانچہ اس نے گاؤں پر چمکے ہوئے کہا۔ کیا یہ

باقی صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیے







کا کوئی ملز میں کیا ہو رہا ہے —؟

## ”ہذا من فضل ربی کے تحت مہن برس رہا ہے

### الطاف حسین ہیکل

کا کوئی ملز ٹیکسٹائل ملز کو فضل و برکت  
انتہائی نے قائم کیا تھا۔ اس  
مل کی انتظامیہ زیادہ تر دیہاتوں کی فاسول پر مشتمل  
تھی۔ اور نوکر شاہی کے ان گناہوں نے اس  
کو باپ کی جاگیر سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے لٹا۔  
جب انھوں نے سمجھا کہ اس سے مزید فائدہ  
اٹھانا محال ہے تو انہوں نے اس کو شیخ نصیر  
برادران کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ جن کے پاس  
پچھلے سے ”اسامیل“ آباد ملکان اور اسماعیل کوٹ  
نومبر کی ٹیکسٹائل ملز بھی تھیں انہوں نے اس کا نام  
کا کوئی ٹیکسٹائل ملز اسماعیل رکھ کر دکھا تھا اس سے  
پچھلے کی انتظامیہ نے مل کو دونوں ہاتھوں سے لٹا  
تھا مگر اب جب ایک سرمایہ دار نے مل کا انتظام  
سنبھال لیا تو اس نے ہر وہ طریقہ اختیار کیا کہ  
جس سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو سکے  
اور اس طریقے سے مزدوروں پر سختیوں کا دور  
دورہ شروع ہوا۔ مزدوروں نے جوابی طور پر تنظیم  
بونا شروع کر دیا۔ مزدوروں کا منظم کرنے میں جناب  
صالح محمد زبیدی نے اہم کردار ادا کیا۔ اسی سلسلہ  
میں شہر سے کا کوئی کی طرف ایک مجلس نکالا گیا۔  
جب مجلس مل گیت کے پاس پہنچا تو مالکان کے  
پانچ ہتھیاروں نے ہاتھوں اور ڈنڈوں سے مجلس  
پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں صالح محمد زبیدی کے  
علاوہ کئی اور مزدور بھی طرح طرحی ہونگے۔ اس  
غذہ گردی کے خلاف احتجاج کے طور پر ہتھیاروں  
نے گیت پر پڑا کی۔ اس کے بعد نوکر شاہی نے  
مزدوروں کو جیل میں ڈال دیا۔ اس پر شہر کی سائے  
عامر بھی خلاف ہو گئی۔

مالکان نے اس سے بچھڑا کر حاصل کرنے کا  
ایک اور ذریعہ نکالا۔ یعنی کہ بھکر میں ایک کاغذ کا  
قیام، چونکہ بھکر میں کوئی نہ تھا لہذا اپنے باپ کے

نام سے اسماعیل ٹرسٹ قائم کیا گیا۔ اور پھر اس  
ٹرسٹ کے توسط سے اسماعیل کاغذ بھکر قائم کیا  
گیا۔ تاکہ بھکر کے شہریں کو رام کیا جاسکے۔ دوسری  
طرف سرمایہ دارانہ نظام میں اگر کاغذ انتظامیہ کو  
ہدایت کی گئی کہ ”جیسے باب اسماعیل کا کوئی  
قائد اعظم اور علامہ اقبال کے فوٹو سے اوپر  
لائبریری میں لگایا جائے لیکن بشمول طالب علم  
اس پر ٹیکس اٹھائے۔ انہوں نے پڑا کر دی اور  
ساتھ ہی تصویر بھی بچا ڈی۔ جب صورت حال  
زیادہ سنگین ہو گئی تو کالج کا انتظام حکومت  
نے خود سنبھال لیا۔ لیکن مل مالک نے یونین فنڈ  
کے دس ہزار روپے دینے سے انکار کر دیا۔  
اس پر طلباء نے ایک ہفت روزہ ”جسٹس“ نکالا۔ شہر میں  
دفعہ ۳۴۱ لگا دی گئی۔ لیکن طلباء نے مظاہرے  
جاری رکھے۔ اور تحریری طور پر قائم مقام پرنسپل  
جناب جی ایم ڈی مرزا کے توسط سے مل مالکان  
کو کم ہانچنے کا اٹھی میٹم دے دیا کہ اگر کم واپس  
نہ کی گئی تو مل کو فسادات شروع کر دیا جائے گا۔ اس پر  
نوکر شاہی کے اعلیٰ حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور  
مصاحبت کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی گئی۔  
مگر طلباء نے ان کی کوئی بات سننے سے انکار کر دیا۔  
جب سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرنے  
میں نوکر شاہی بھی ناکام ہو گئی تو دوسرے دن اٹھی  
سیدم کا وقت پورا ہونے سے پیشتر ہی دس ہزار  
روپے کا چیک پرنسپل صاحب کے حوالے کر دیا  
گیا۔ مگر نوکر شاہی کے ایک کاغذ سے کی ۲۴  
صفحات پر مشتمل شکایت پر بھکر کے طلباء کو ایک  
تفصیق استلو سے عروم کر دیا گیا۔

مل کے مزدور جو مل مالکان اور نوکر شاہی کے

فائدوں کی بل بھگت سے وقتی طور پر بچ گئے  
تھے، انہوں نے انتظامیہ کے خلاف دوبارہ  
تحریک شروع کر دی۔ شہر کے طلباء نے انہیں اپنے  
مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ انتظامیہ نے مزدوروں  
کی ایک ہفت روزہ کے لئے علاقائی منافرت کو  
اس قدر بڑا دی کہ مل کے مزدور علاقہ ہدایت کے  
نہ بھکر ہو گئے۔ اور سرمایہ داری محنت کش برادری  
میں بھوت ڈالنے میں کامیاب ہو گئی۔ جس کے  
نتیجے میں ایک مزدور لال بہادر سرمایہ دارانہ نظام  
کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اس پر فسادات پھیل گئے۔  
اور اس طرح کئی اور جانی تلف ہو گئیں۔ یہاں کے  
مزدوروں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں  
نے چپ سا دل لیا۔

یہاں ایک درکار یونین بھی کافی عرصہ سے  
کام کر رہی ہے۔ یہ ایک پاکستان یونین ہے ہذا  
اس کے عہدیداران کے سامنے ہر صورت میں  
مالکان کا مفاد ہوتا ہے۔ عہدیداران کو کام سے  
کھل چھٹی ہے۔ اور ہذا امن فضلی  
مکتی کے تحت بھی ان پر سہا برستا ہے۔ ابھی  
کچھ دن ہی ہوئے ہیں جنرل بیکر فری نے ایک  
نیا پس خریدی ہے۔ حالانکہ اس کی خواہ صرف  
۲۵۰ روپے ہے۔

مزدوروں کے علاج کے لئے یہاں ایک  
لیا چوڑا عمل بھی موجود ہے۔ لیکن دو انیاں  
نہ اردو۔ اگر وہ انیاں کچھ ہیں بھی تو وہ انہوں  
کے لئے مخصوص ہیں۔ اور اگر کسی مزدور کو کوئی کھائی  
مٹی بھی ہے تو اس کو یونین کے عہدیداران سے  
وابطہ کرنے اور سفارش حاصل کرنے کے بعد چاہے  
اس دوران مریض راجی ملک عدم ہو جائے۔

انجینئر پنے صاحبان  
مزدور سے کام لے کیوں بنا

یہاں کی یونین کے صدر نے ایک غریب مزدور کی  
بیوی کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ لیکن یونین کے  
صدر کے سر پر مل کے مالکان کا ہاتھ ہے۔ اس  
لئے نوکر شاہی کے نام نہاد ملازمین بھی خاموش  
ہیں اور غریب مزدور انصاف طلب کرنے کے  
لئے لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ کس در پر  
دستک دے۔

۱۹۶۸ء کی عوامی تحریک میں یہاں کے  
مزدوروں کو خاموش رکھنے کے لئے مل مالک کے  
انجینئر پٹل بیٹے نے ایک نوکھاروہ اختیار کیا  
تھا۔ اس نے خود ہی مزدوروں کو چپ کر کے کہا  
کہ یہ مل آپ کی ملکیت ہے۔ آپ اسے تباہ  
کر دیں یا چلائیں میں آپ کے ہر فیصلے کا پابند  
ہوں گا۔ اور میں آپ کے فیصلے کے خلاف کبھی  
قانون کی مداخلت پسند نہ کروں گا۔ ساتھ ہی  
میں مزدوروں کی تفریح کے لئے باقاعدہ فیلڈ  
کا بندوبست کر دیا گیا۔ ہر ہفت روزہ ہفت روزہ سے اس  
فروادہ نظام کی بھینٹ چڑھتا چلا آ رہا ہے،  
اس مرتبہ بھی دھوکا کھا گیا۔ اور وہ اس تحریک  
میں کوئی کردار ادا نہ کر سکا۔ اس پر آج بھی مزدور  
میں احساس شرمندگی پایا جاتا ہے۔

حالیہ انتخابات میں مل انتظامیہ نے بھی دوسرے  
سرمایہ داروں کی طرح پاکستان پیپلز پارٹی کے  
خلاف اپنا کام اور پروپیگنڈہ جاری رکھا۔ اور  
اسی سلسلہ میں ایک کلرک اسماعیل کو اپنی نوکری  
سے ہاتھ دھونا پڑا۔ جس نے اپنے سینے پر  
پاکستان پیپلز پارٹی کا بیج لگا دکھا تھا۔ بلکہ اس  
ضمین میں ایک گروہ تیار کیا گیا جو پیپلز پارٹی  
کے حامی مزدوروں کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس  
گروہ کا سربراہ مودودی جامعہ کارکن ہے اور  
اپنی پیشہ ورانہ چھپر گری کی بنا پر قلی سے فولڈنگ  
ماسٹر بنا ہے۔ بعد میں انتظامیہ نے کھلے  
ہندوں کو نشانی لگے کے امیدوار احمد نواز  
شہابی کا ساتھ دیا۔ اور مزدوروں پر بھی



مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالا گیا کہ وہ بھی اسی کو روٹ دیں۔ آج بھی ان مزدوروں کے ساتھ جنہوں نے یہ بین بڈی کا ساتھ دیا تھا سختی بنی جاتی ہے۔ ابھی حال ہی میں مالکان نے ہی کے ساتھ ہی ایک جنگ بیکری بھی بنائی اور مہنگائی کے اس دور میں صرف ۲ روپے روزانہ اجرت رکھی گئی۔ اس کے خلاف مزدوروں نے آواز اٹھائی تو تقریباً ۲۵ مزدوروں کو برطرف کر دیا گیا۔ اور ملکان سے عورتیں کام کے لئے منگوا لی گئیں۔

مل کے مزدوروں پر یہ ظلم کافی عرصہ سے جاری ہے۔ لیکن نام نہاد وزارت محنت بھی اس سلسلہ میں خاموش ہے۔ یہاں کے بے بس مزدوروں کی نظریں اس عوامی حکومت کی طرف لگی ہوئی

ہیں پاکستان کا محنت کش طبقہ اب بھی اس قریب میں مبتلا ہے کہ ملکی سطح پر دباؤ ہونے والی سبائی تبدیلیوں سے اس کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ مگر اس کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک وہ پاکستان کے دوسرے مزدوروں کے ساتھ متحد ہو کر اس نظام کے خلاف ایک فیصلہ کن جدوجہد کے لئے اکٹھے کھڑے نہیں ہوتے۔ انہیں اپنے آپ کو صرف چند مطالبات کے لئے نہیں بلکہ اس نظام کے یکسر خاتمہ کے لئے منظم کرنا ہوگا۔ ورنہ یہ ظلم بڑھتا رہے گا۔ اور مزدوروں کے خون سے اس دھرتی پر مہر و زینتیں بھی بنتی رہیں گی اور محنت کشوں کا استحصال جاری رہے گا۔

✱

## کراچی

# بہوشیوں کی عتسرام لٹ رہی ہے

ملک کے مختلف حصوں سے محنت کشوں پر اجارہ دار سرمایہ داروں کو کرشماتی اور جاگیر داروں کے مظالم کی خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ تشدد کے ہر طریقہ سے مزدوروں کو مہر و زینتیں لگائیں، انہیں گھبراہٹ اور خوف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ملک کے تمام صوبوں میں علاقے ان حالات پر خاموش نہیں ہیں مظالم کے خلاف یہ نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ الفح کے معنات ابتدا سے ہی ان امورس ملک واقعات کی تسبیلات چھاپتے رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً ہجوموں کی نشاندہی بھی ہوتی رہی ہے۔ انتخابات کے بعد سے محنت کشوں پر ظلم میں بے پناہ اضافہ اور شدت پیدا ہو گئی ہے۔ انصاف کو آواز دی جا رہی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر کب تک یہ سچا کچھ بھڑتا رہے گا۔

## جوائنٹ لیبر کونسل

پچھلے دنوں کراچی کے کرک ہال میں جوائنٹ لیبر کونسل کے زیر اہتمام مزدور انجمنوں کا ایک عام اجلاس منعقد ہوا تھا۔ مزدور نمائندوں نے محنت کشوں کی عام عیصی اور سرمایہ داروں کی جانب سے لاقانونیت کے اندھا دھند مظاہروں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ایک قرارداد منظور کی جس میں کامن ڈیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

یہ اجلاس قومی انتخابات کے بعد ڈیڑھ دو ماہ کے دوران عام ملکی حالات اور مزدوروں کے مسائل کا

ملک کے مختلف حصوں سے محنت کشوں پر اجارہ دار سرمایہ داروں کو کرشماتی اور جاگیر داروں کے مظالم کی خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ تشدد کے ہر طریقہ سے مزدوروں کو مہر و زینتیں لگائیں، انہیں گھبراہٹ اور خوف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جانتے لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ استعمالی طبقوں نوکر شاہی اور پربلازادی کرنے والوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ عام اشیاء کے ضروریات کی گرانی بڑھتی جا رہی ہے۔ جوئے پیمانے پر مزدوروں کو برطرف کیا جا رہا ہے۔ صنعتی اداروں خصوصاً کانجیکسٹنٹ اور ملک ملوں میں تالہ بندیاں کر کے من مانی شرائط ملازمت اور کم اجروں پر نئی بھرتیاں کی جا رہی ہیں جنہیں کبھی مستقل نہیں کیا جاتا۔ محنت کشوں سے کئے گئے معاہدوں اور مزدور قوانین کی کھلے عام دھجیاں بکھری جا رہی ہیں اور ملال حکومت خاموش تماشا بنی ہوئے ہیں۔ اجارہ دار سرمایہ داروں کی پشت پناہی کے لئے لیبر پارٹمنٹ کی ناکارہ ششمری پر کثیر رقم خرچ کی جا رہی ہیں لیکن لیبر کونسل کی طرف جن کا کا صنعتی تعلقات آرڈیننس نمبر ۱۹۹۹ء کے تحت دائرہ اختیار نہایت وسیع کیا گیا ہے، کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ ان کونسلوں کے چیرمینوں کو بلو یا تبدیل کیا جاتا ہے۔ کئی کئی مافک نئے چیرمین کا تقرر نہیں کیا جاتا۔ مقتدرات کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر لیبر کونسل کی تعداد میں فوری اضافہ ناگزیر ہے۔

## ولیکا ملز

قرارداد میں ولیکا میکسٹائل ملز کے مزدوروں پر انیس گیس، لائسنسی چارج اور فائنگ کی ذمہ داری ہے۔ کہ لیا گیا ہے کہ گذشتہ سال ولیکا میکسٹائل ملز کے مزدوروں اور مالکان کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا تھا جسے قانونی معاہدے کی حیثیت حاصل ہے لیکن ولیکا نے اس معاہدے پر عمل نہیں کیا اور بدلتا ہوا اپنے پچھلے بائیس سالہ بدترین استعمالی چیرمانہ پوش پر کاربند رہا۔ انہیں جب مزدوروں نے مظالم اور دھاندلی کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار اور انصاف کے حصول کے لئے عملی اقدام کیا تو بجلتے اس کے کہ کراچی کے نوکر شاہی انتظامیہ اور پولیس میکسٹائل ملز کے مالکان کے خلاف قانونی معاہدے پر عمل درآمد نہ کرنے کے جرم میں کارروائی کرے اور مزدوروں کی مشکلات کو دور کیا جاتا اس کے برعکس مزدوروں کو بھی جرم گردانیا اور ان پر آواز لڑا۔ انہیں گیس اور فائنگ کی کئی اور لٹاؤ اور مزدوروں کو گزند کیا گیا یہ اقدامات سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کے گٹھ جوڑ کا کھلا ثبوت ہیں۔

اجلاس میں ان واقعات کی روشنی میں ملکی اور صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا کہ ملک کے

مزدوروں کو ظالم اور غاصبہ اجارہ دار سرمایہ داروں کی ضروریات کو روٹ دینے والوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ عام اشیاء کے ضروریات کی گرانی بڑھتی جا رہی ہے۔ جوئے پیمانے پر مزدوروں کو برطرف کیا جا رہا ہے۔ صنعتی اداروں خصوصاً کانجیکسٹنٹ اور ملک ملوں میں تالہ بندیاں کر کے من مانی شرائط ملازمت اور کم اجروں پر نئی بھرتیاں کی جا رہی ہیں جنہیں کبھی مستقل نہیں کیا جاتا۔ محنت کشوں سے کئے گئے معاہدوں اور مزدور قوانین کی کھلے عام دھجیاں بکھری جا رہی ہیں اور ملال حکومت خاموش تماشا بنی ہوئے ہیں۔ اجارہ دار سرمایہ داروں کی پشت پناہی کے لئے لیبر پارٹمنٹ کی ناکارہ ششمری پر کثیر رقم خرچ کی جا رہی ہیں لیکن لیبر کونسل کی طرف جن کا کا صنعتی تعلقات آرڈیننس نمبر ۱۹۹۹ء کے تحت دائرہ اختیار نہایت وسیع کیا گیا ہے، کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ ان کونسلوں کے چیرمینوں کو بلو یا تبدیل کیا جاتا ہے۔ کئی کئی مافک نئے چیرمین کا تقرر نہیں کیا جاتا۔ مقتدرات کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر لیبر کونسل کی تعداد میں فوری اضافہ ناگزیر ہے۔

اجلاس میں مزدوروں کے خلاف سازشیں اور اتھاقی کارروائیاں کرنے والے سرکاری افسران کی شدید مذمت کی گئی اور ان کے خلاف عدالتی تحقیق کا مطالبہ کیا گیا۔

## حیدرآباد

# ولیکا کی بربریت شرمناک ہے

## انڈس گیس

ہنگامی اجلاس میں ولیکا ملز کراچی کے مزدوروں کے ساتھ کراچی کی انتظامیہ اور پولیس کے وحشت ناک، انسانیت سوز رویے اور بربریت کے سلوک کی سخت مذمت کی گئی۔ اس جلسے میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ ولیکا ملز کا حالیہ المیہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ سرمایہ داروں، نوکر شاہی اور سامراج کے گٹھ جوڑ کی موجودگی میں ملک کے کسی قانون، کسی آئین اور کسی معاہدے پر عمل درآمد ممکن نہیں رہا ہے۔ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک سال پیشتر ولیکا ملز کی انتظامیہ اور مزدوروں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا ولیکا ملز کی انتظامیہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ مزدور درخواستیں پیش کرتے رہے لیکن مقامی حکام نے کوئی شنوائی نہ





## کراچی سے ڈھاکہ

بعض دوستوں کا خیال ہے "کراچی سے ڈھاکہ" کا سلسلہ موجودہ حالات میں بے مقصد معلوم ہو رہا ہے۔ اور عجیب بھٹو مذاکرات آج کے کنوینشن میں کچھ مضامین خیر لگتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس سلسلے کو ختم کر دینا بہتر ہے۔ میں نے بھی آج کے حالات میں کل کی ان باتوں کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مجھے یہ تمام واقعات تاریخ کے ناگزیر حصے معلوم ہوتے ہیں۔ کسی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کے حقوق پر یقین رکھتے ہیں انہیں کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ وطن کے اتحاد اور سلامتی کے لئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ پھر انوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ "کراچی سے ڈھاکہ" کا سفر بھٹو اور اس کے ساتھیوں کا سفر نہیں ہے۔ بلکہ پاکستان کی شاہراہ پر اتحاد و سلامتی کی تلاش کا ایک سفر ہے۔ جو ملک کے ایک حصے نے دوسرے حصے کی طرف کیا۔ ایسی جدوجہد کے نتائج فوری طور پر آج تک برآمد نہیں ہوئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نتائج ابھر کر سامنے آئیں گے

## "نایک" لایچ ایک پاکستان کا تصور پیش کر رہی تھی

محمود شام

کالفرنس پر بھٹو صاحب کے تاثرات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بھٹو صاحب کمرے میں موجود نہیں ہیں۔ وہ شاید گورنر جنرل سے بات کرنے گئے ہیں۔ انہوں نے متاثرہ لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی مشکلات سے گورنر کو آگاہ کریں گے۔

اگلے روز لایچ کا سفر ہے۔ یہ تقریبی سفر ہے۔ جس کا اترقام پیپلز پارٹی کے وفد کے لئے کیلپ ہے۔ شیخ صاحب نشر لیا لائے والے ہیں۔ صبح کے دس بج رہے ہیں۔ آج ہماری ٹیلی ویژن نہیں آتی ہے۔ اس لئے ہمیں دوسروں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ آج کے سفر میں پولیس والوں کو نہیں بلایا گیا۔ اس لئے ہمارا میزبان ٹوائی لینگ والے مجھے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہیں ہیں۔ قاسم بیٹیل صاحب کے ایک مشرقی پاکستانی دوست اپنی گاڑی میں مجھے لے کر چلتے ہیں۔ قافلوں کا چاکا ہے ہم سدر گھاٹ پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے لایچ جا چکی ہے۔

سے ہی ملاقات کروں گا۔ جنہیں ان کے تعاون کی ضرورت ہے۔ دیکھ رہے ہیں۔ بھٹو صاحب اخبار نویسوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ میں ان کے کمرے میں لگی ہوئی تصاویر دیکھ رہا ہوں۔ ایک تصویر میں بھٹو صاحب ان پریس رومز سے تنگ سے بات چیت کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی خانہ کعبہ کی تصویر ہے۔ ایک طرف ٹیگور ہیں۔ نذر الاسلام ہیں۔ فضل الحق ہیں۔ ایک طرف شیخ مجیب الرحمن بیٹن میدان میں ایک بہت بڑے جلسہ عام سے خطاب کر رہے ہیں۔ ہم باہر آتے ہیں۔ اخبار والے بھٹو صاحب کی تلاش میں ان کا ٹیلی فون نہیں پھینچتے ہیں۔ وہ مجیب صاحب کی پریس

چاہتے ہیں۔ اب واپس جا کر اپنی پارٹی کے لیڈروں سے بات چیت کروں گا۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ ہمارا کام بہت مشکل ہے۔ پھر بھی امید ہے کہ ہم مل تلاش کر لیں گے۔

مجیب صاحب نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ہم کل نہیں مل رہے ہیں۔ لوگوں کا ہجوم زیادہ ہے۔ بھٹو صاحب کو گاڑی تک جانے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔ مجیب صاحب سخت غصے میں ہیں۔ ان کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دے رہی ہے۔ وہ اپنے کاکتوں کو ڈانٹتے ہوئے راستہ بنا رہے ہیں۔ بھٹو صاحب چلے جاتے ہیں تو مجیب صاحب اخبار والوں کو پھر گھر کر اپنے ڈرائنگ روم میں لے جاتے ہیں اور واضح طور پر بتاتے ہیں کہ ہماری پارٹی کچھ نکات کی پابند ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۵۵ افراد کی کوبلا یا جائے۔ منتخب ممبروں کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد آئیں بنائیں۔ عوامی لیگ کو صرف مشرقی پاکستان میں نہیں پورے پاکستان میں اکثریت حاصل ہے۔ عوامی لیگ صرف بھٹو سے مقابمت کے لئے نہیں بلکہ سرحد اور بلوچستان کے نمائندوں سے بھی ملنے کی بیتاب ہے۔ جب بھی ممکن ہوگا دوسرے گروپ لیڈروں

وہاں منڈی میں پھر دی بجوٹ تھا۔

بھٹو مجیب انڈر گنگو میں معروف تھے۔ باہر ڈاکٹر مہتر حسن ڈھاکے کے صحافیوں سے پہلی بار سے طوفان زدہ علاقوں کے دورے کی بات چیت کر رہے تھے۔ مشرقی پاکستان کے صفائی بھائی اس میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ انہیں اس میں کوئی زیادہ اہم بات محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے طوفان زدہ علاقوں میں مشرقی پاکستانیوں سے بات چیت کی۔ باہر لوگ صبح کی مارچ کی گفتگو کے بارے میں اظہارِ خیال کر رہے تھے۔ پتہ یہ چلا کہ صبح کے مذاکرات میں بڑا شدید تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کا اثر آج کی گفتگو پر ہو۔

آج کی گفتگو خلافت توقع جلد ختم ہو گئی ہے۔ چھ بج کر سات منٹ پر یہ لیڈر باہر نکل آتے ہیں۔ دونوں کے چہرے اگے ہوئے ہیں۔ آج باوجود کوشش کے وہ پولیس کے لئے بھی مسکرا نہیں سکے۔ آج اخبار نویسوں سے زیادہ بات بھٹو صاحب کر رہے ہیں کہ آپ کوئی غلط نتائج نکالنے کی کوشش نہ کریں۔ جس ملک کی سلامتی کے متعلق پرامید رہنا



آج دونوں کے چہرے اترے ہوئے تھے



# ضیاء الدین حسینے میں فنکار کا دل نہیں

وسیم احمد نسیم

چھٹکار سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔

تو اب صلی مشہور لیکن فٹ بال کا بد قسمت کھلاڑی

تقدیر کے ہاتھوں تباہ ہونے کے بعد کبھی ڈرائیور

بن گیا ہے۔ پورے نو سال تک وطن کی خدمت کرتا

رہا۔ اس کے کھیل کو ساری دنیا سراہتی رہی لیکن ہم سے

کچھ بھی نہیں دے سکے۔ سوائے اس کے کہ ماضی کی

چند خوش گوار یادیں جن کے سہارے وہ یکسویں صدی کے

اپنا اور وہی بچوں کا پریشاں پاتا ہے۔

ہاں۔ تو ضیا صاحب نے اس ٹیکس ڈرائیور

کو بھی پروگرام میں شرکت کے لئے بلایا تھا۔ تاکہ

نا محرومی کے احساس کی نائش وہ پروگرام کے لاکھوں

ناظرین کے سامنے کر سکے۔ تو اب صلی سب سے آخر

میں آئے تھے۔ اور سب سے پہلے چلے گئے۔ جاتے

ہوتے تو اب صلی کے قدم فن کی اس نا ناہی برداشت

توہین پر ٹکھڑا تے رہے لیکن اس لڑکھڑاہٹ کو

مغرب کی روشنی سے بھرپور وہ آنکھیں نہ دیکھ سکیں

جو ہمیشہ سے انسان کی عظمت کو دولت سے پرکھتی

ہیں۔ ضیا محی الدین نے ایک فنکار کا دل گسائی کر کے

فن کی لائش پر دولت کا مزار بنایا اور اس پر پھول چڑھانے

کے لئے جو لڑھکے بڑے وہ بھی ایک فنکار کے ہی

تھے۔ فن کا عمل فنکار کے ہاتھوں تباہ ہو گیا۔ افسوس

تو اس بات کا ہے کہ ضیا محی الدین ہلاکت خود ایک

فنکار ہونے ہوئے بھی اپنے سینے میں فن کار کا دل

نہیں رکھتے ورنہ اپنے کہے ہوئے چند اشعار کی سبھی طاقت

تصور پر ہمیشہ کرنے میں انھیں ضرور عجز ہوتا۔

## فنکار

کی عظمت کو غریبی سے تو لے والے

شاید یہ بات بھول جاتے ہیں

کہ اس وجہ سے ان کی عظمت میں اور ساتھ ہی

مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بلکہ غربت کا

حقیقی درد اپنے سینوں میں رکھنے والے اسے

اور بھی زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن اگر کسی

غریب فنکار کو صحیح مقام نہیں ملتا تو وہ آنکھیں فربا

بن جاتی ہیں۔ اس وقت اس سرسراہٹ انسانی پر کوئی

خاموشی نہیں رہ سکتا۔

مگر چند روز کراچی ٹیلی ویژن پر ضیا محی الدین

شود دیکھنے کے بعد فن پر حقیقی نظر رکھنے والی جڑی

اشک بار ہے۔ ضیا صاحب آتے دن ناظرین کو

ملی اور غیر ملی اونچی اونچی شخصیات سے ملاقات کرتے

رہتے ہیں۔ جن کی ہندی کوئی غریب چھوٹا نہیں سکتا۔

خیر انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ کس طرح اتنی

ہندی پر پہنچ گئے۔ بلکہ بات تو یہ کہنی ہے کہ ایک

غریب فنکار مرث اس لئے صوفے پر بیٹھ سکا کہ اس

کے کپڑوں کی گرد سے ان بڑے فنکاروں کے قیمتی لباس

خراب ہو جاتے جو اپنے فن کی نورت پر سونے کا بانی

بڑھا کر ہر محل میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ بے جا۔ تو بے

تواپنے فن کی لائش کو غربت کے گفن میں ہیست کر دیا

تھا۔ اس کی دہاں کیسے عزت ہوتی جہاں کی آنکھیں

سونے کی چمک دیکھنے اور کان روپوں کی

منتقل ہو جاتے۔ مجبوری ہوتی اقتصادی صورت

حال درست ہو۔ میر علی احمد تاپور لائچ کی چھت

پر کھڑے مشرقی پاکستان کے صحن سے متاثر ہو

رہے ہیں۔ طارق عزیز ادا س ہیں۔ معراج محمد

خان لوگوں سے مل رہے ہیں۔ عبدالغنی پیرزادہ

ڈاکٹر کمان بین سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ دیکھ

لوگ الطاف رانا سے تصویریں پھونکنے میں مصروف

ہیں۔ قاسم بیٹیل۔ اورینٹ ایڈورڈا تانہ کے ہاشمی

صاحب۔ عوامی لیگ کے سیکریٹری جنرل قمر الزماں

سے بات چیت کر رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے اسٹوڈنٹ

لیدر حفیظ احمد۔ معراج محمد خان سے ملنے کے

مشتاق ہیں۔ لائچ کی تین منزلیں ہیں۔ تینوں

منزلوں پر مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان ایک

دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک

دوسرے کو سمجھنے کا یہ سفر بڑا نازک ہے۔ دریا کی

لہروں پر انحصار ہے۔ لہریں اسی رفتار پر ہیں

نوشاہ سفر مکمل ہو جاتے ورنہ یہ دریا بہت گہرا

ہے۔ سار شیں بھی جو رہی ہیں۔

لائچ کا وقت ہو گیا ہے۔ دریا کی ٹھنڈی

پانی امرت گزشت ٹھنڈا ہو رہا ہے مغربی

پاکستان والوں نے ہیبت کم کھلیا ہے۔ اسی اثنا

میں ایک دلہن کی طرح سجی ہوئی لائچ ہماری

لائچ کے ساتھ آتی ہے۔ سنا ہے یہ سرکاری لائچ

ہے۔ شیخ صاحب اور بھٹو صاحب اس لائچ میں

منتقل ہو گئے ہیں۔ ۲ بج رہے ہیں۔ لائچ

قریب اگر دور صلی گئی ہے۔ عجیب صاحب اپنے

دو یا ڈی گارڈوں کے ساتھ گئے ہیں۔ بھٹو صاحب

اکیلے گئے ہیں۔ لائچ آگے چلی جاتی ہے۔ کبھی

قریب آ جاتی ہے۔ نایک لائچ پر بیٹھے سب لوگوں

کی نظریں اس لائچ پر لگی ہیں۔

اس قافلے کو لائچ گنج کے گھاٹ سے لائچ پر

سوار ہوتا ہے۔ نواب پور روڈ پر اس وقت ٹریفک

کا اتہائی رش ہے۔ ہم لائچ گنج سرکے بڑھ رہے

ہیں۔ میں سڑک رہا ہوں کہ لائچ اس وقت تک جا

چکی ہوگی۔ لیکن صرف دو منٹ پہلے میں نے لائچ

کو جالیا۔ شیخ صاحب کے پریس سیکریٹری بادشاہ

حسین مجھے دیکھتے ہی پھر لوٹے۔ پریس نہیں جلتے

گا۔ بھٹو صاحب جو شیخ صاحب کے ساتھ کھڑے

تھے، انھوں نے دیکھ لیا۔ انھوں نے کہا۔ یہ

میرے ساتھ ہیں۔ اس سفارش پر مجھے اندر

جائے کا پاسپورٹ مل گیا۔ لائچ مغربی پاکستان کی

اکثریتی پارٹی کے ممتاز رہنما پارلیمان کمیٹی اور کئی

ارکان اسمبلی تھے۔ دریا کے میکانیکی نہیں اس

لائچ کو لے چل رہی تھیں۔ یہ لائچ "نایک" اس

وقت پاکستان کا مستقبل اپنے کندھوں پر اٹھاتے

ہوتے تھے۔ ملک کے دعووں کے تمام اہم

رہنما اس کو یوں مل بیٹھے اور بات کرنے کا وقت

مل گیا تھا۔ اور سب مل جل کر اتنی مسائل پر بات

کر رہے تھے۔ شیخ عجیب الرحمان پیلیز پارٹی کے

لیدروں میں گھرے بیٹھے ہیں۔ بھٹو صاحب

عوامی لیگ رہنماؤں میں گھرے ہیں۔ یہاں عوامی

لیگ کے نمائندوں کو وہ نظر آتے ہیں اور اپنے اپنے

مزاج کے لوگوں سے مل رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے

ایک دانشور نے پیلیز پارٹی کے ایک لیڈر سے پوچھا

کہ آپ عجیب صاحب کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟

انھوں نے جو جواب دیا وہ اس دانشور کے لئے

بالکل غیر متوقع تھا۔ انھوں نے کہا "امریکی ٹینٹ"

اس کے بعد اس دانشور کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ رہا۔

اس لائچ پر گفتگو سستے ہوتے ہیں یہ بھی احساس

ہوا کہ اسمبلی کے طریق کار کے اعتبار سے پیلیز پارٹی

کے پاس سے زیادہ اچھا لہنے والا پارلیمنٹری موجود

ہوئی عوامی لیگ کے ارکان اسمبلی میں سے اکثر چھ نکات

کے بارے میں جذباتی تو بہت ہیں، لیکن ان کے

مضمرات پر زیادہ تفصیل سے بات نہیں کر سکتے۔

نایک "ایک پاکستان" کا تصور پیش کر رہا ہے۔

دریا کے میکانیکی لہروں پر نایک آہستہ آہستہ بڑھ

رہی ہے۔ منشی گنج کے قریب آس پاس سے گزرتی

کشتیاں لائچ کے قریب آتی ہیں اور بھٹو عجیب

زندہ یاد کے نعرے بلند کرتی ہیں۔ مشرقی پاکستان

کے بیظلم غلام میٹو عجیب کو ایک دیکھتا چاہتے

ہیں۔ یہ اس خواہش کا اظہار ہے کہ یہ دونوں بھٹا

کسی ایک سمجھوتے پر پہنچ جائیں اور اقتدار غلام کو





ماز فتریشی

شیخ الجامعہ صاحب اگر ظلم اور استعمار کے خلاف آواز اٹھا کر جرم ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ ہم یہ جرم ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ اگر عداوت پر لائق ہیں کھٹا کھڑے تو ہمیں تسلیم ہے کہ ہم کافر ہیں اور ایسے مجرم اور کافر ہونے میں بجا طور پر فخر بھی ہے۔

ہم لوگ اس نوعبورت اور البیلی جامعہ کے طالب علم ہی نہیں اس بد حال معاشرے کے فرد بھی ہیں جس کی گذرگاہ میں ہمارے جسم و جان حد یوں سے سڑ رہے ہیں یہیں اس معاشرے کو تبدیل کرنا ہے جس میں ایسے ہو سکتے ہوں گے انسانوں کے پاس مغربی کے سوا کوئی متنازع نہیں ہے۔

آپ اور اسلامی جمہیت طلبہ ہم لوگوں کو اس جرم میں شریں شریں اور سنگارہ سپند کر رہیں یا کچھ اور... ہم چاہتے ہیں اس معاشرے سے سامراج کی پھیلانی ہوئی تاریکیاں دور نہیں کر لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ آپ ہمیں اس جرم کی جو سزا چاہے دے لیں۔ لیکن وہ دن دور نہیں جب سماج کے یہ اوپنٹے نیچے طبقات ہمارے علم کی چٹانوں سے ٹکرا کر مٹا مٹا رہ جائیں گے۔

نمائندہ الفتح

جوت کا ہمینہ تھا گرمی اپنے شباب پر تھی۔  
جامعہ کی زیر نگینوں میں ایک شخص بس اسٹاپ پر دھوپ  
میں کھڑا تھا لیکن اس کی دونوں بظلوں میں میاں کھیاں  
دہنی ہوئی تھیں اور وہ کورنگی جاننے والی بس کا انتظار  
کر رہا تھا۔ میں اس نوجوان کو لائبریری کے پریکٹ اور  
ہوا دار سایہ میں کھڑا دیکھتا رہا۔ کبھی میں اس  
کی تنہید کر کر دیکھتا جس میں مصنفی کا احساس موجزن تھا  
تو کبھی اس کے ہاتھوں میں دہنی ہوئی موٹی موٹی کتابوں  
پر لڑو کرتا جو کہ اس کے عزم اور جدت کی داستان سن رہی  
تھیں مجھے یہ مانہ گیا اور میں آہستہ آہستہ جلتا ہوا اس نوجوان  
کے قریب آ گیا۔

میں نے پوچھا: "کیا آپ یہاں طالب علم ہیں؟"  
اس نے بڑے انداز سے چہرے پر لہجہ ہوتی تینک پر انگلی

جسمانی معذوری اُن کے عزائم کے سامنے مات کھاگ

نمائندہ الفتح

رکھتے ہوئے جواب دیا: ”جی ہاں!“۔ میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ دیکھا کہ اس کی صورت ایک کھلی کتاب جتنی جس میں اس کی بہت اور وصلے کو آسانی سے پڑھا جاسکتا تھا اور اس کے دلے ہوئے احساں کرنا کو محسوس کیا جاسکتا تھا۔ فوراً ہی میں نے اس سے سوال کیا: ”کس شعبہ میں ہیں آپ؟“۔ ”میتھس“ اس نے مختصر سا جواب دیا۔ پھر اس نے مجھے متعدد سوالوں کے جواب میں بتایا کہ وہ کون سی میں رہتا ہے اور بی۔ اے تک کے طلباء و طالبات کو پڑھاتا ہے۔ پڑھاتا ہی نہیں بلکہ درس بھی دیتا ہے۔ انقلاب کا سبق بھی پڑھاتا ہے اور اپنی دونوں انگلیں بیکار مومنانے کے باوجود جدید و جدید کا زائے دیکھتا ہے۔ فلسفہ اور معاشیات اس کے پسندیدہ مضامین ہیں۔ ادب سے بھی دلچسپی رکھتا ہے۔ ریاضی کو امر اس کے لئے مشتق کیا ہے۔ اس کی صفت

اسٹوڈنٹس ڈائریکٹر رشتہ خیل اور انقلابی ذہن رکھنے والے طلبہ کی ایک انجمن ہے جس کی شاخیں ملک کے مختلف شہروں میں قائم ہیں گلگت کے ممبران طلبہ اور ادیب اس فن کے متعلق ہیں کہ ادیب اور سیاست متحدہ و غیرہ چیزیں نہیں ہیں بب کہ انہی تخلیقات میں فن اپنی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہو۔ گلگت نے اس سال کراچی میں پندرہ روزہ ادبی تعزیدی اجلاس کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اب تک اس کے تین اہم اجلاس ہو چکے ہیں جن میں نوجوان ادیب اور انقلابی فکر رکھنے والے طلبہ اور نوجوان شریک ہو چکے ہیں نقاش کاظمی، نعیم کرمی اور شاہ حسین بخاری ان نشستوں کی صدارت کر چکے ہیں جبکہ نقاش کاظمی، تنویر واسطی، یاسمین حسن، امجد ظفر کشنی، ڈاکٹر نسیم اور وفا خان پوری نغلیں اور معانی تفتیک کے لئے پیش کر چکے ہیں۔ نشستیں انوار کے دل نبی باغ کالج کراچی میں منعقد ہوتی ہیں۔



بڑی وجہ یہ تھی کہ راجہ جی کے شعبہ میں سٹیج حیدر نہیں  
چڑھنا پڑتا تھا۔ کوئی نگر اور لائڈ بھی اس کی اہم سیاسی اور  
نظریاتی شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے۔  
۱۹۴۵ء میں پیدا ہوئے اور حیدر آباد ہی میں  
ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ سیدہ نوینور سٹی سے ریاضی و  
طبیعیات اور انگریزی میں میٹرک پاس کیا۔ تحریری اور  
نقدی مقابلوں میں حصہ لیتے رہے اور افادات پاتے رہے  
۱۹۶۰ء میں جامی کے دست سے گریڈس پاس  
کئے۔ پھر لاہور میں بی اے کیا۔ اس کے باوجود  
اپنے عزم و ارادہ میں کوئی تبدیلی نہیں لائے اور تعلیم  
باری رکھنے کے شوق میں دیوانہ وار علم و آگہی کی جانب  
بڑھ رہے ہیں۔ ان تمام مصائب کے باوجود وہ کلاس میں  
ممتازی حیثیت سے پاس ہوتے رہے ہیں۔





## ضیائے بیگم بھٹو کو کچھری کے چیر اسی کی طرح آواز دیکر بلایا

ناظر

یہ بیگم بھٹو کو کھانے کے لئے بلانے کا عرصہ اسے ڈیڑھ ہزار روپیہ ملتا ہے۔ ٹیلیٹ کلب میں تماشائیوں کی موجودگی میں ضیاء محمدی شہینش ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا وی ٹی آر تیار ہوتا ہے پھر یہ ٹیپ شدہ پروگرام ایڈٹ کر کے ہر دو کو ٹی وی پر پیش کیا جاتا ہے۔ شاید ناظرین کے یہ بات معلوم ہو کہ اس ایک پروگرام پر دس ہزار سے بارہ ہزار روپیہ تک رقم خرچ ہوتی ہے گویا تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہر ماہ ایک پروگرام پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اور یہ بات بھی عام ناظرین کو معلوم نہیں ہوگی کہ اس شو کا اسکرپٹ کئی ماہر لکھتے ہیں جسے محی الدین اور اس کے کرداروں کو یاد کرنا پڑتا ہے۔ اسکرپٹ لکھنے والوں میں ریڈیو پاکستان کے سابق ڈائریکٹر جنرل زبیر علی شجاری، حمید کاظمی اور علی طغر جعفری وغیرہ شامل ہیں۔ ضیاء محمدی الدین شو کی ابتدا میں مقبول انگریزی پروگرام ”آؤں ساڈ“ کی طرح ضیاء محمدی الدین کی مختلف آسنوں میں تصویریں خاصی دیر تک

ہے جس کے پاس کھانے پینے اور پھینکنے لگتا ہے کہ لٹے پھٹے ہی بہت کچھ ہے۔ غریب اور بلا صلاحیت فن کاروں کے لئے ٹی وی کے دروازے بند ہیں۔ جنیب ولی محمد جیسے فن کاروں۔ ریڈیو پاکستان کے برکاتیلازوں کو لٹے بدھنے والے مولویوں اور ڈاکٹر منظور احمد جیسے امریکی اسلام کے پرچارک شیر علی مارکہ پروفیسر اور نام نہاد دانشوروں، کھاتے پیتے گھرانوں کی فیشن ایبل دوشیزاؤں اور ٹیڈی لڑکوں کے لئے ٹی وی کے دروازے ہم وقت کھلے ہیں۔ طارق عزیز جیسا فن کار ان پروگراموں میں حصہ نہیں لے سکتا جس نے لاہور اور کراچی ٹیلی ویژن کی بنیادیں رکھی تھیں۔ مولانا کوثر نیازی ٹی وی سے تقریریں نہیں کر سکتے کہ وہ پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دونوں شیر علی کے غائب کا نشانہ بنے تھے۔ مگر اس کے غائب ہوجانے کے باوجود ان دونوں کے لئے ٹی وی کے دروازے ابھی تک نہیں

پاکستان میں ٹیلی ویژن اور اب الیٹ خاں خواجہ شہاب الدین اور ان کے جرائد کی ایجاد ہے جس کا مقصد ایک طرف تو یہ تھا کہ قوم کو اصل مسائل سے ہٹا کر کھانے کا فانی ڈراموں سستی امریکی جاسوسی فلموں اور تیسرے درجہ کے آرٹسٹوں کے پروگراموں میں مشغول کر کے اس کی صلاحیتوں اور شعور کو تنہا تنہا کھینک کر سلا دیا جائے اور دوسری طرف امریکی اسلام کو پاکستانی مسلمانوں کی زندگی کا جزو بنا دیا جائے۔ اور اس کے پس پردہ ایک بوڑھی ڈانی طرز فکر کو پاکستانیوں کے ذہنوں میں اس طرح پیوست کر دیا جائے کہ وہ ایک ترقی یافتہ قوم کی حیثیت سے اپنے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کرنے کے احساس ہی سے محروم ہو جائیں۔ بھوک اور افلاس کی مادی قوم ٹیلی ویژن جیسے تعبیر کی قتل ہو سکتی ہے یا نہیں۔ یہ نہ ایوب خاں نے سوچا نہ خواجہ شہاب الدین نے اور نہ امریکی جماعت اسلامی کے امیر زادے شیر علی نے۔ ان سب کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو ایک تنظیم سازش کے تحت عیاشیوں میں اس طرح غرق کر دیا جائے کہ اس میں طبقاتی شعور ہی پیدا نہ ہونے پائے۔ مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ پاکستان کے غریب عوام کو کوئی روزگار کے مسائل سے نمٹنے ہوئے اتنی ہمت اور فرصت ہی کب ملتی ہے۔ اور انہیں یہ استطاعت ہی کب حاصل ہے کہ وہ ایک ٹیلی ویژن سید کی خریداری کا بوجھ اٹھا کر اپنے جوی پچوں کو ہمینوں کے لئے روٹی سے محروم کر دیں۔ ٹیلی ویژن کی لعنت تو نو دو لٹے پاکستانیوں کے لئے، مفلوک الحال متوسط طبقے کے لئے اور سرمایہ دار طبقہ کی ناک اونچی رکھنے اور اس کے معیار زندگی کی اونچائی کو اپنے لئے مسلط کی گئی تھی۔ سو وہ اب تک مسلط چلی آتی ہے اور اس کے پروگراموں سے وہی طبقہ فنیٹ اٹھا لیا

ضیاء محمدی الدین شو کے

سفید باغی کا خرچ

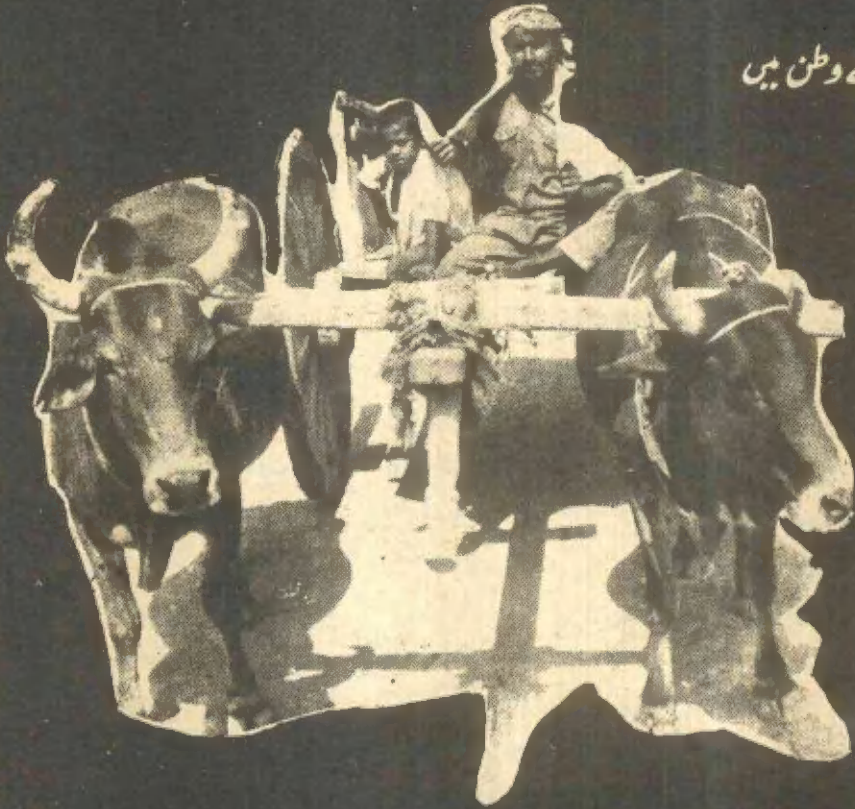
پچاس ہزار روپے ماہانہ ہے

دکھائی جاتی ہیں۔ اور جب پردہ اٹھتا ہے کہ تو ضیاء صاحب میز پر کسی پرائیویٹ کی طرح بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور پھر باری باری سے ایک ایک جہان کو اس طرح آواز دے کر اسٹیج پر بلاتے ہیں، جسے کچھری کا چیر اسی گویا ہوں کو پکارتا ہے جیسے پروگرام میں ضیاء محمدی الدین نے پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی اہلیہ بیگم نصرت بھٹو کا ذرا لحاظ نہ کیا۔ اور ان کے ساتھ بھی وہی بڑاؤ کیا۔ جوہر عموماً مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہروں اور فن کاروں کے ساتھ روار کھتے

کھلے۔ کیونکہ شیر علی کے پردہ جو رو کرٹیں اب بھی کراچی اور لاہور راولپنڈی کے ٹیلی ویژن اسٹیشنوں پر قابض ہیں۔ عوامی حکومت کے آنے کی دہیسے، پھر ان میں سے ایک بھی نظر نہیں آئے گا۔ کراچی ٹیلی ویژن نے گزشتہ دو مہینے سے ایک سفید باغی بال رکھا ہے۔ اس کا نام ضیاء محمدی الدین ہے جو ہر سہفتہ کو ٹیلیٹ کلب میں بھانڈا بنتا ہے۔ اور ٹی وی پر سوز و غصہ کی پگڑی اچھالنے کے چہرے ہزار روپیہ ماہوار پاتا ہے۔ یعنی



اپنے وطن میں



گنے کے کاشت کار

استحصائیوں

کے نرغے میں

ج۔ ن۔ ق۔ ر۔ ی۔ ش۔

کارخانے استحصالیوں کا ایک اور ذریعہ ثابت ہوتے ایوب خاں کے مراعات یافتہ اجارہ داروں اور دار خاندانوں نے مختلف علاقوں میں شکر گریز قائم کرنے کے واسطے حاصل کرتے ہی اپنی روپیہ کے مطابق کاشت کاروں کے استحصالی کے طریقے بھی فروغ دے۔ اور مزدوروں اور کسانوں کے اس مشترکہ لہو سے لڑتے کام و زمین کے سرسرمائی۔

دیہاتی علاقوں سے بھرتی کئے جانے والے مزدوروں، قبیلوں اور عشیروں وغیرہ کو زیادہ سے زیادہ محنت کے معاوضے میں کہے کہ مراعات دی گئیں۔ اور غریب کاشت کاروں کے خون پسینے کا حاصل کم سے کم دامن خریدنے کے لئے دلالوں اور کمیشن ایجنٹوں کا طریق کار وضع کیا گیا۔ اس طریقے کے دو فائدے تھے۔ اول یہ کہ شکر گریز کے مالکان حکومت کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیتے تھے کہ ہم تو سرکاری زمین پر کسانوں سے گناہ حاصل کرتے ہیں اور اس بنیاد پر وہ تمام مراعات حاصل کر لیتے تھے جو حکومت کی جانب سے انکم ٹیکس اور دیگر معاملات میں انھیں مل سکتی تھیں۔ دوسری جانب کاشتکاروں کے سامنے یہ مندریش کیا جاتا رہا کہ ہم تو پورے دامن ہی دلال سے لے لیتے ہیں

کی ادائیگی کا بڑا دکھا کر ملز کی انتظامیہ کے گنے گنتے ٹیکے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

غریب کاشت کار جانتے ہیں کہ ملز کی انتظامیہ کے بارے میں ان کے گستاخانہ کلمات "کوڑے لوگ"، "پست نہیں کرتے" لیکن پھر بھی وہ اپنی فریاد لے کر انھی "بڑے صاحب لوگوں" کے پاس جانے پر مجبور ہیں۔ کاشت کاروں کے ساتھ پریشانی یہ ہے کہ وہ سال بھر کی محنت اور خون پسینہ ایک کر کے جو فصل پیدا کرتے ہیں وہ اگر فرصت نہ ہو تو اپنے بال بچوں کا پیٹ نہیں بھر سکتے۔ اپنے بال بچوں کی شکم پوری کے لئے انھیں ہر قیمت پر اپنی فصلوں کو فروخت کرنا ہوتا ہے۔ ہندو کمائی میں کسی زمانے میں چاول کی کاشت کے لئے بہت ہی زور و تصور کی جاتی تھیں۔ اور چاول کی پیداوار سے چھوٹے کاشت کاروں کی سال بھر کی شکم پوری کا سامان ہو جاتا تھا لیکن سیم کی وجہ سے یہ زمین چاول کی کاشت کے لئے موزوں نہیں رہی۔ پھر اس علاقے میں گنے کے کارخانوں کے قیام سے کاشت کار کو یہ امید بندھی کہ اب اس کی پیداوار کی کچھ بہتر طریقے پر ہوسکے گی اب اس کی معاشی حالت مدھر چلتی گی۔ لیکن گنے کے

شوگر ملز کی انتظامیہ ہم سے گنا خریدنے سے انکار کر رہی ہے اور اس طرح ہماری فیصلے تیار ہو جائیں گی۔

شوگر ملز کی انتظامیہ سرکاری نرغے پر گنا خریدنے کی بجائے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ کم قیمت پر گنا خرید رہی ہے اور کم قیمت پر گنا نہ دینے والے چھوٹے کاشتکاروں کا بایر کاٹ کر رہی ہے۔

شوگر ملز کی انتظامیہ کاشت کاروں سے گنے کی ایک ایسی قسم فراہم کرنے کا مطالبہ کر رہی ہے جو اس علاقہ میں کاشت نہیں کی جاسکتی، جس کا فصل پرنے سے پہلے کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا تھا اور جس کے بیج بوائی کے وقت کاشت کاروں کو مہیا نہیں کئے گئے تھے۔

شوگر ملز کی انتظامیہ بڑے بڑے کاشت کاروں سے غلہ خرید رہی ہے اور ان چھوٹے کاشت کاروں کو انتقام کا نشانہ بنا رہی ہے۔ جمائے اس کی شرائط کے مطابق گنا خریدنے کی بجائے سرکاری مراعات اور تحفظات کا مطالبہ کرتے ہیں۔

شوگر ملز کی انتظامیہ کے مظالم کاشتکاروں سے والے چھوٹے کاشت کاروں کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا جا رہا ہے اور انھیں دھل اور مایہ

تو اب شکر اور ساکھڑ میں گولشتہ دنوں سے گنے کے کاشتکاروں کے مظاہرے جاری ہیں۔ ساکھڑ میں تو گنے کے کاشتکاروں نے فردی کے انگری ہفتے میں ڈیڑھ کسٹر کے سامنے اپنی شکایات پیش کرنے کے لئے ان کے دفتر کا گھیرا لیا۔ اور جب کاشتکاروں کے کئی گنے کے انتظامیہ کے بعد ڈیڑھ کسٹر صاحب ان کی بات سننے کے لئے آتے تو شکر ملز کی انتظامیہ کے رویہ کے خلاف کاشتکاروں کی شکایت سننے ہی ڈیڑھ کسٹر صاحب ہر دم ہو گئے اور انھوں نے مظاہرہ کرنے والے کاشتکاروں کو دارننگ دی کہ اگر انھوں نے شوگر ملز کی انتظامیہ کے رویہ کے خلاف جھوک بڑنالی کی تو نتائج ان کے حق میں بہتر نہیں ہوں گے۔ ڈیڑھ کسٹر صاحب کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک لڑکے نے کاشتکاروں کو دھکی دی کہ انھوں نے جھوک بڑنالی شروع کی تو وہ ان کو گاڑی میں ڈال کر بلاستھان لے جاتیں گے اور وہاں آرام سے جھوک بڑنالی کرنے کے لئے چھوڑ آئیں گے۔

شوگر ملز کے خلاف گنے کے کاشتکاروں کے وہ گستاخانہ کلمات "جن پر یہ افسران برہم ہوتے صرف یہ تھے کہ:



## سیاسی استحصالی کی پیش بندی لازمی ہے

بقیہ صفحہ ۴ سے آگے

برائے کا اعلان کر دے گا۔ اس لئے کہ اسے اپنی موجودہ ترقی کے لئے بھی اخراجات فراہم کرنا ہوں گے۔ اور اپنے عوام کی غربت اور پسماندگی کو قلیل سے قلیل مدت میں دور کرنا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ پیش نظر خطرات کی پیش بندی کے لئے کیا اس نکتہ کی وضاحت اور اس میں کسی قسم کی ترمیم کو عوامی ایک غیر ضروری سمجھتی ہے؟ اور سمجھتی ہے گی؟۔ چنانچہ مذکورہ خطرات کے معرض وجود میں آنے کے بعد وہ کونسا ملک ہوگا جو ان غیر یقینی حالات میں درست امداد وراز کرے گا؟ اور کس یقین دہانی پر کرے گا؟

اس نکتہ کا دوسرا پہلو آنچہ کی تجارت سے ہے ”بلنگدیش“ اور پنجاب کو چھوڑ کر اور باقی تینوں صوبوں اور آزاد قبائلی علاقوں کے معیشتی وسائل پر نظر ڈالنے کی زحمت کی جائے تو سامنے کی بات یہ ہے کہ سرحد، بلوچستان، سندھ اور آزاد قبائلی علاقے کے پاس وہ کون کون سی اشیاء ہیں جن کو برآمد کر کے یہ اپنی معیشت کی بیرون ملک سے شگائی جانے والی ضروریات مثلاً شیشی وغیرہ درآمد کر سکتے ہیں؟

لا محالہ صورت حال کا مداوا بیرونی امداد ہی رہ جاتا ہے سو اس کا حال ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ کیا ہوگا؟۔ اب اگر اس آخری مداوا کو ان صوبوں سے قبول ہی کرنا ہے تو یہ خطرہ تصوراتی اور خیالی نہیں رہ جاتا کہ پھر معاشی و باہر صوبے کو بصورتِ جمہوری مرکزی وفاقی حکومت کی تشکیل کردہ خارجہ پالیسی سے انحراف کرے اور حسبِ اہلیت اپنی معاشی ضروریات کی خاطر خواہی خود اسی بیرونی اثرات کو دعوت دے۔ اس لئے کہ بے حساب اور علی الحساب امدادی سہولت تو صرف ایک ہی ملک دے سکتا ہے۔ اور اس ملک کی امدادی سہولتوں نے پاکستان کو جس طرح تک پہنچا دیا ہے اس کو کون نہیں جانتا؟۔

کیا اب بھی اس سوال کو دہرانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ ان نکات کو بلا ترمیم جوں کا توں منانا اپنی آن اور ناک کا سکہ بنالینا ایک نامعوسہ استحصالی پسندی کی راہوں پر چلنے کے خدشات کو تصدیق نہیں کرنا۔

بھندے شدہ امر ہو گیا ہے اس لئے وفاقی ریاستوں کو دوسرے اقتدار کے ساتھ بیرونی ملکوں سے لین دین امداد اور تجارتی معاہدے کرنے کی آزادی دینا ہی معاشی انصاف پسندی اور معاشی برابری کے اصولوں کے تحت برسی خوش آئند بات ہے بلکہ یہ بات یہ ہے کہ آزاد اور سوشلسٹ کانونی کے اصولوں کی پیروی بھی ہے مگر اس صورت حال کی ایک اور دوسری تصویر یہ بھی ہے۔

سوشلزم کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول تاریخی اور جغرافیائی حالات کو پیش نظر رکھ کر اصلاحات اور تبدیلیوں کو بروئے کار لانا ہے۔ مغربی پاکستان کے ساتھ ان جغرافیائی اور تاریخی حالات کے ساتھ ایک اور پہلو بھی قابلِ غور ہے۔ اردو ہے پورے پاکستان کی اقتصادی اور معاشی حالت کا یہ پہلو کہ اس کی پسماندگی کا درماں ہمارے بزرگوں نے کبھی بزرگی امداد کے تعہد سے کیا تھا۔ توحید اور ہماری دونوں اپنی جگہ لیکن شکلی یہ ان پڑی ہے کہ اس جادوگر کی بڑی کا جن یعنی امدادی قرضہ اب بوقت سے باہر آ گیا ہے۔ تجارتی لین دین کی بات بعد کو ہوگی۔

اول یہ ہے کہ جب ہر صوبہ بیرونی مالک سے خارجہ پالیسی کی حدود کے اندر کہ معاملات کرے گا تو سب سے پہلے امداد دینے والا جادوگر (یعنی سام دی جمی نشین) صوب سے پہلے اپنے گذشتہ سے پیوستہ ادھار کھاتے کا حساب کتاب طلب کرے گا۔ اور چونکہ بیرونی امداد کی معاہدات پر ہر صوبہ کا بوجھ بڑھ گیا اس لئے اس ادھار کھاتے کو چکانا بھی تو ہر حال کسی نہ کسی کا فرض ہوگا۔ چھ نکاتی دستوریہ فریق کس کو چکانا چاہتا ہے؟ مرکزی حکومت کو تو صوبہ صرف دفاع اور وزارت خارجہ کے اخراجات بھر کی رقم دی گئی پچھلے قرضوں کی ذمہ داری بھی مرکزی حکومت کے سر پر ہوگی (اس لئے کہ کون سا صوبہ اتنا فنی ثابت ہو سکتا ہے جو امداد کے نامتی کو اپنے دروازے پر باندھ دے گا؟) اور مرکزی حکومت کو نہ چلیس لگانے کی اجازت ہوگی نہ اس کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی ہوگا۔ ہر صوبہ کا معاملہ تو پھر ہر صوبہ امداد و شاد سے اپنے یہاں کے ترقیاتی اخراجات کا گوشوارہ پیش کر کے قرضہ جات کی ادائیگی کی ذمہ داری سے ممکنہ حد تک

کے انتظام کا نشانہ بن رہے ہیں ایک جانب یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ فصل کی تباہی کے بعد ان کے بال بچوں کی شکم پڑی کیسے ہوگی تو دوسری جانب انہیں یہ فکر مارے ڈال رہی ہے کہ اس فصل پر جو ان کی اور ان کے بچوں کی بھوک مٹانے کا سامان نہیں کر سکی، انہیں مالہ بھی ادا کرنا ہے۔ یہی وہ مجبوری ہے جو ان کاشت کاروں کو صاحب لوگوں کے در پر فریادی بنا کر لے جاتی ہے لیکن ”صاحب لوگ“ ان کی فریاد سننے کی بجائے انہیں دھمکیاں دے کر ٹوٹا دیتے ہیں سبھی دھمکیاں جتنی جس کے تحت کاشت کاروں نے سگھڑے ڈھکی کشتہ سے کہا تھا کہ یا تو شوگر ملز کے منتظمین کو ہمارا آنا خریدنے پر مجبور کیا جائے یا ہم پر مالہ معاف کر دیا جائے۔ شوگر ملز کے استحصالی سے تنگ آتے ہوئے ایک کاشت نے اگر یہ کہہ دیا کہ اگر ہمارا بھوک کا علاج نہ کیا گیا تو ہم اپنے ہاتھوں سے سینی ہوئی فصل انہی ہاتھوں سے جلا دیں گے ہم جبری بھوک کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے بھوک ہڑتال کریں گے تو یہ شاید اتنا سنگین جرم تو نہیں تھا کہ ان کی بات بھی نہ سنی جاتی تھی کے دوسری قتل کے جرموں تک کی بات سنی جاتی ہے، شوگر ملز کی انتظامیہ کی شان میں گستاخی کا جرم اس سے زیادہ تو سنگین نہیں۔ پھر ان کی فریاد کیوں نہیں سنی جاتی؟؟

## بقیہ: ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں

پاکستان کی سلامتی اور وحدت قائم کرنے اور عوام کو امریکی اور سامراجی سازشوں سے خبردار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مغربی پاکستانی بھرمیں چلے منعقد ہوں اور عوام کی اصل صورتِ حالی سے آگاہ رکھا جائے۔

پینڈ پادٹی کی سنٹرل کمیٹی کو مشرقی پاکستانی عوام پر تشدد کی مذمت کرنی چاہیے تھی اور اس کے ساتھ غیر ملکی مداخلت کی بھی اور ان سازشوں کا افشا بھی کرنا چاہیے۔ جو مغرب مشرقی ایشیا میں امریکی اڑے کے قائم کرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ پینڈ پارٹی کو عوام نے ووٹ اقتصاد دی اور خارجہ پالیسی کے لئے دیئے ہیں۔ اس لئے پینڈ پارٹی کو مصلحت کو شہی چھوڑ کر امریکہ کے خلاف کھل کر تحریک چلائی جائیے۔

ہمیں کیا خبر وہ آپ کو کتنے پیسے ادا کر رہے ہیں۔ اس طرح گناہم داموں خرید کر اسکے زیادہ دام حساب کتاب اور سرکاری اندراجات میں خاص کر کئے جاتے رہے۔ یہ صورت حال تکلیف دہ تھی لیکن کسانوں کو اتنا امید تھی کہ ان کی فصلیں ضائع نہیں ہوں گی۔ شوگر ملز بہر حال ان کی فصلیں خریدنے کے پابند ہیں۔ جو ششہ دونوں شوگر ملز سے یہ پابندی ختم کر دی گئی کہ وہ اپنے اس پاس کے دس میل پابندہ میل کے رقبے کے اندر کاشت کرنے والے گنے کی خریداری کے پابند ہیں۔ انہیں یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ پورے علاقہ میں جہاں سے چاہیں گنا خرید سکتے ہیں۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شوگر ملز نے کاشت کاروں سے یہ کہہ کر گنا خریدنے سے انکار کر دیا کہ ہمیں تو دوسری قسم کے گنے کی ضرورت ہے جو خالص علاقہ میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہتھیار ہے جو کاشت کار کو شوگر ملز کے منتظمین کے آگے گھسنے ٹیک دینے امدان کی ہر شرط تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

غریب کاشت کار سال بھر کی محنت تباہ ہوتی اور اپنے بال بچے بھوک سے ترپتے نظر آتے ہیں تو فصل اودنے پونے دام فروخت کرنے پر راضی ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ سر ملیہ دار جو بھروسہ میں جینی کی مصنوعی قلت پیدا کر کے جینی کے دام بڑھاتے رہتے ہیں، درہبات میں غریب کسان کا پریت کاٹ لیتے ہیں۔

سائیکس، نواب شاہ اور سندھ کے دربار سے

علاقوں کے بعض کاشت کاروں نے اس صورت

حال کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے شوگر ملز سے

مطالبہ کیا کہ ان کی فصلیں سرکاری نرخوں پر خریدی

جائیں اور انہیں وہ عام مراعات مہیا کی جائیں

جن کا حکومت نے انہیں مستحق گردانا ہے ان کاشت

کاروں کو ڈھل اور ملیہ کی ادائیگی کا ہڑا دکھا کر

شوگر ملز کے آگے جھکنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

گنے کے چھوٹے کاشت کار جو شوگر ملز کی انتظامیہ

سیاست، ثقافت اور ادب کا احساس

حکایت  
تجہ  
قریبی بک مثال سے طلب کیجئے



# فیصلہ ہو چکا ہے

دو برس کے گارڈ باری ادارے کے کپ کھلیں۔ لوگ کب جلوس نکالیں۔ کب مظاہرے کریں، مظاہرے اور ٹیش چلیں یا نہ چلیں اس کا فیصلہ صرف شیخ صاحب کرتے ہیں۔ انتظامیہ پس ہے۔ اس تمام صورت حال کی ذمہ داری شیخ صاحب پر ہے۔

صدر بھی خالی تھے ۲۵ مارچ کو اپنی نشری تقریر میں قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۵ مارچ کو بلانے کا اعلان کرتے ہوئے بری دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ کہا ہے کہ شیخ مجیب نے ان کی دعوت ملاقات ٹھکرا دی۔ ۱۷ مارچ کو گول میز کانفرنس (ان کے منگوا دیں) بلائی گئی اس میں بھی شرکت کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ مخالفت اور افہام و تفہیم کے جذبے سے کام لینے کے بجائے مشرقی پاکستان کے رہنماؤں کا جو طرز عمل رہا اسی کے نتیجے میں لاقانونیت کا بازار گرم ہوا۔ پھر صدر نے وہی کیا جو ان کا فرض تھا۔ بقول ان کے معنی بھراؤ کو کروڑوں افراد کے وطن کو تباہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی تھی لیکن صدر کے ان اقدامات کو مشرقی پاکستان کے رہنماؤں نے غلط معنی پہناتے تھے۔ مشرقی پاکستان کو بھی لیگ کے جنرل سیکرٹری تاج الدین نے کہا "منگلادیش کے مختلف حصوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کے مرنے اور زخمی ہونے کی اطلاعات آرہی ہیں۔ ہم شدید ترین الفاظ میں فوجیوں کے اس رویہ کی مذمت کرتے ہیں۔ آج ہر مرد و عورت اور بچہ نجات حاصل کرنے اور منگلادیش کا آزاد شہری ہونے کا عزم کر چکا ہے۔"

یہ رویہ متحدہ پاکستان کے لیڈروں جیسا کہ وہ نہیں ہے!

بات حجت کے ذریعہ آئین سازی اختلافی معاملوں کو طے کرنے کی پہلے بھی مہلت دی گئی تھی۔ صدر نے اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ اب انہوں نے ۲۵ مارچ تک کی مزید مہلت دی ہے۔ صدر کا یہ آخری انتباہ اور آخری اقدام ہے۔ اس کے بعد ملک کو بچانے کے لئے انہیں اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ شیخ صاحب کے سابقہ رویہ کے پیش نظر میٹن پارٹی سے مخالفت پر ان کی کی آمادگی کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس کے بغیر اگر ۲۵ مارچ کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں تمام پارٹیوں کے منتخب نمائندوں نے شرکت کی تو آئین سازی کے راستے میں بدستور تباہیاں حال ہی میں گئی۔ اور اگرچہ مشکلات کی بنیاد پر

باندھے رکھی؟ صدر کو اندازہ تو ہو چکا کہ ان کے اپنے کچھ مفادات رہے ہوں گے۔ اور آج جب انہیں دھتکار دیا گیا تو وہ اپنے ہی حواریوں کی قلعی کھوسے پھرتے ہیں اور یہ بھول گئے ہیں کہ وہ خود بھی اسی شیخ پر ہی کئی برس سے ایک شخص ایمرارشل اور دوسرا ممبر جنرل رہ چکا ہے۔ اتنے بلند منصب پر پہنچنے کے بعد بھی وہ عام انسانوں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے ذمہ داری میں مشغولیت کے تحت غفلت رکھتے ہوں گے۔ یہ ایک افسر کی بات نہیں ہے ایسے بہت سے افسر ہیں۔ بہت سے تاجر اور صنعت کار بڑے بڑے سرمایہ دار اور تجارتی ورگیز ہیں جو موجودہ نظام کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ جنہیں چاہیے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان ایک رہیں۔ پاکستان ایک وحدت کے طور پر زندہ رہے اور اسے کسی غیر ملکی طاقت کا دست نگر نہ بننا پڑے۔ یوسف ہارون کو کون نہیں جانتا۔ سابق وزیر خزانہ محمد شعیب سے کون واقف نہیں۔ ان کے امریکہ سے کیا رشتے ہیں۔ یہ کتنے نہیں معلوم۔ اور یہ بات بھی کس سے دھکی چھپی ہے کہ پاکستان میں اور خصوصاً مشرقی پاکستان میں امریکہ کے کیا مفادات ہیں۔ فارلینڈ اور دوسرے امریکی افسروں کی سرگرمیاں انتخابات کے بعد کتنی تیز اور کتنی مشکوک ہو گئی ہیں۔ امریکہ نے مکرر ستمبر ۱۹۷۱ء میں بھی پاکستان کو ہتھکڑیاں پہنا دیا تھا۔ اور ابھی تک اس نے پاکستان کے لئے جو امداد دی رکھی ہے تو وہ کس مقصد کی تکمیل کے لئے دی گئی ہے؟ اور عالمی بینک کے ایک ڈائریکٹر وڈن نے جو یہ کہا تھا کہ آئندہ مشرقی پاکستان کو دی جانے تو اس کا یہ مطلب تھا؟ فارلینڈ سے ملنے کے بعد شیخ مجیب اچھا کو یہ مزید کرنے کی ضرورت کیوں نہیں آتی کہ انہوں نے امریکہ سے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی اپیل نہیں کی تھی۔

اور اب شیخ مجیب الرحمان کس کے اشارہ پر احکام نافذ کر رہے ہیں مشرقی پاکستان کے لوگوں سے کہا گیا ہے کہ وہ ٹیکس نہ دیں۔ اسٹیٹ بینک اور

## ساعات قبل اندیشہ شیردے سے جلد چوٹ کا راپا لیا جائے

فیصلہ ہو چکا ہے!

تو مشرقی پاکستان میں بھی چار صوبے بنانے کا مشورہ کیوں نہیں دیا گیا۔ ان سب مشوروں کے نتائج قوم کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ اور ابھی یہ معلوم کتب تک بھگتنے پڑیں گے۔ ان مشوروں میں مشینری کے ان پرزوں میں ایم ایم احمد کا نام بھی لیا جا رہا ہے۔ اور ان کا نام ریٹائرڈ ایمرارشل فورس اور بننا وزیر اطلاعات شیر علی نے بھی لیا ہے۔ نور خان نے کہا ہے:

"افسر شاہی کے بعض عناصر نے جن میں ایم ایم احمد بھی شامل ہیں غلط حکمت عملی سے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے دور کر دیا حکومت سے متعلق بعض افراد موجودہ آئینی بحران میں براہ راست مداخلت کرنے رہے اور بعض سیاسی جماعتوں کو ہدایات دیتے رہے۔"

نور خان نے میاں دولت نادر اور شوکت حیات کو گواہ قرار دے کر بتایا کہ انہوں نے ایمرارشل سے خود یہ کہا کہ ان کو ان اعلیٰ افسروں نے عملی کے بائیکاٹ کے فیصلہ کی حمایت کی تھی۔ دعویٰ کرتے والا بھی موجود ہے۔ اور گواہ بھی موجود ہیں۔ ان سے پوچھ کر تصدیق کرنے کی فرصت کے ہے شیر علی کا کہنا ہے کہ صدر کے مشیروں اور خصوصاً صدر کے مشیر خاص نے صدر کو اس طرح کے مشورے دیتے کہ مارشل لا کا حجاز نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شیر علی کو اور نور خان کو ملازمت سے نکالے جانے کے بعد اب اس قسم کے دھوکے کرنے کی فرصت ملی ہے۔ حالانکہ ایم ایم احمد ان دنوں کی وزارت و ملازمت کے وقت بھی موجود تھے اور جن دوسرے افسران کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے وہ پہلے بھی حکم چلاتے تھے اور آج بھی چلاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان دنوں حضرات نے سب کچھ جانتے بوجھتے آنکھوں پر پٹی کیوں

فیصلہ کا اعلان آج نہیں توکل ہو کر رہے گا۔ اس فیصلے میں ۲۳ سال لگے ہیں اور اس میں بہت سے عوامل نے کام کیا ہے۔ مجرم وہ ہیں جنہوں نے اپنے چہرے چھوٹے ذاتی مفادات ہونے کے لئے ان عوامل کو ایک پلانٹ کیا ہے اور متحدہ پاکستان کے تصور کو بال بال کر کے گروہی اور علاقائی اغراض کی کند چھری سے قومی مفادات کو ذبح کیا ہے۔ ان مجرموں کو ہر حکومت نے اپنے دامن میں پناہ دی ہے۔ ان کا حوصلہ بڑھایا ہے اور سن مانی کرنے کی کھل چھوٹ دی ہے۔ اور جب پانی سر سے گزر گیا ہے تو کچھ خبروں کو مڑانے دی گئی ہے۔ مڑا بھی اس نوعیت کی کہ صورت ان کی نوکری چھین لی گئی مگر انہیں سرکار کے علاوہ سرنگ ہر کام کرنے اور سرکاری کارندوں پر اپنا اثر ڈال کر اپنے ڈوبی پرنے متا حد پورے کرنے کی پوری آزادی ملے دی گئی۔ صرف ۳۳ افسروں کے سرکاری اختیارات سب کر کے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ افسر ہی کا خاتمہ ہو گیا۔ ملک تباہی سے بچ گیا اور قومی خوشحال کا دور بس شروع ہوا پتا ہوتا ہے یہ سوچا ہی نہیں گیا کہ ان کی چھاپ کتنی گہری اور جڑیں کتنی مضبوط ہیں۔ مشینری کی دہری رہی، کچھ پرزے بدل دیئے گئے۔ ان پرزوں کو وہی کام کرنا تھا جو ان سے پہلے کے پرزے مشینری کو چلانے کے لئے کیا کرتے تھے۔ یہ مشینری ڈنگ آؤٹ ہو گئی ہے۔ اسے جبرید لا جاسکتا تھا۔ مگر نہیں بدلا گیا۔ اسی لئے مشینری ٹھیک نہیں چل رہی ہے۔ ٹھیک چلتے چلتے بگڑ جاتی ہے۔

انتخابات جلد ہی ہو گئے تھے۔ قومی اسمبلی کا اجلاس جلد ہی بلایا جاسکتا تھا

پہلے سیلاب اور طوفان کے باعث الیکشن ملتوی ہوئے تھے۔ جب الیکشن ہوئے تو اسمبلی ۱۱ اجلاس ملتوی ہو گیا۔ اور اس سے بھی پہلے ون یونٹ توڑ دیا گیا۔ ون یونٹ توڑنے کا مشورہ کس نے دیا تھا۔ جب مغربی پاکستان میں ون یونٹ توڑا گیا



اکثریتی پارٹی نے آئین بنا کر منظور کر لیا تو وہ صدر کے لیگل فریم ورک آرڈر کے منافی ہوگا۔ اسمبلی توڑ دی جائے گی۔ اور پھر وہی ہوگا جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

صدر مملکت کو اپنی شہرزی کے کل پرنسپل پر نظر رکھنی ہوگی۔ صدر کو اگر یقینی ہے کہ ان کے بعض بشر غلط مشورے دیتے رہے ہیں تو ان سے عیدان جلد چھٹکارا ضروری ہے۔

## بقیہ : کانگرس جی

کانگرس جی ہے۔ نہ ہاری طرٹ نو کو پڑا دھار جی " میں پھر کبھی دے دوں گا۔ " نہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔

"یہ نقد پیسے لو اور مجھے شراب دو۔" باس نے کانگرس جی سے مذاق کرتے ہوئے کہا۔ "کانگرس جی آج پھر کہیں چوری کی ہے۔" اس کا جواب سادہ تھا۔ "مجھ سے مذاق نہ کرو۔"

"مذاق۔" اگر تم نے چوری نہیں کی تو تمہاری کانگرس کس طرح سے ٹوٹی ہیں؟

"میں گریگا تھا۔" کانگرس جی پچھسپا یا "گمنے سے ٹوٹ گئی تھیں۔" اس کی آنکھیں دھڑک رہی تھیں کہ اس بات کو کہیں ختم کر دیا جائے۔ اس آئینا میں بے شمار لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ اور سب باس کے ساتھ مل کر تہقید لگا رہے تھے۔ میں نے شراب گم کی۔ اور بیاہ بھر کر اس کی میز پر رکھ دیا۔ اس نے اپنے پیٹھے ہونے کوٹ کی جیب میں سے چار کو پڑ نکال کر مجھے دیے۔ میں نے دیکھا اس کے دو ٹوٹاؤں کا تھک چھپسپا ہوئے تھے۔ بار میں بیٹھے ہوئے لوگ اس پر بے کستے رہے۔ طنز کے تیر سے اس کے جسم کو چھلنی کرتے رہے۔ اپنے بے ہنگم تہقیدوں سے اس کی روح میں اذیت کا زہر گھولتے رہے۔ مگر وہ خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ اس نے کسی کی باتوں کا جواب نہ دیا۔ شراب ختم کرنے کے بعد گلاس میز پر رکھ دیا۔ اور آہستہ آہستہ گھسٹتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک لمبی مدت گذر گئی۔ مگر کانگرس جی دوبارہ نظر نہ آیا۔ سال کے اختتام پر میرا باس اکاؤنٹ چیک کر رہا تھا۔ اس نے پھر کہا۔ "کانگرس جی کی طرف نو کو پڑ نکلتے

میں۔" دوسرے سال۔ ڈیرگین بوٹ کے تہوار کے موقع پر اس نے پھر بھی جلد دہرایا۔ لیکن جب دوبارہ موسم خزاں کا تہوار آیا تو خلافت معمول اس نے کچھ نہ کہا۔ اور خاموش رہا۔ دوسرے سال تک اس کے موقع پر بھی کانگرس جی نظر نہ آیا۔

میں نے بھی اسے پھر کبھی نہیں دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگرس جی حقیقت مرچکا تھا۔

## بقیہ : ٹیلیوژن پروگرام

سے کوئی منتخب نہ ہو سکی۔ اس کا سبب امیدوار خواتین کی نااہلی کہتے یا مردوں کا تعصب۔ تاہم ووٹ دینے کے معاملہ میں پاکستانی خواتین نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔

بلکہ مجھ کے بعد نسیم احمد۔ رونا میلی اور لبنی لطیف کو بلا کر ان سے بھی کھٹکوا گئی۔

ضیاء محمدی نے ان سے رٹے رٹے سوال کئے جو اسکرپٹ رائٹروں نے مرتب کئے تھے۔

مجاہد بن میں جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی تھی وہ ضیاء محمدی اور بن نے رونا میلی کے ساتھ ووٹ لگا کر پوری کر دی۔ اخباروں میں ضیاء محمدی کی شو کی تعریف میں مراٹھے چھپوائے جا رہے ہیں۔ ان فری مراٹھ لگا کر دل کو جیب پر پتہ چلے گا کہ اس پروگرام پر تقریباً پچاس ہزار روپیہ ماہوار خرچ کب جاتا ہے تو شاید وہ قضیہ خونی بند کر دیں۔

محرم کی دوسری تاریخ کو کچھ سال کی گھوڑوں اور مویشیوں کی نمائندگی کر دیا کہ تہہ جھلیاں دکھا کر کراچی ٹی وی سے تہہ لائے کر لاک کی توہین کی۔ اور سو گوارا جنین کے ساتھ کھلا مذاق کیا۔ اس سال لاہور میں مارچ میں ہونے والی گھوڑوں اور مویشیوں کی سالانہ نمائش قومی بحران کے پیش نظر منسوخ کر دی گئی تھی۔ مگر کراچی ٹی وی کے حقل سے کورسے حکام دور کی کوڑی لائے اور انہوں نے سوگ کے جھینے کی اولین تاریخوں میں کچھ سال کی نمائش کی جھلیاں دکھا کر اپنی دانست میں بڑی فحاش کا ثبوت دیا۔ اب ٹی وی ماڈر میں میٹھے والوں کو کرن یہ سمجھائے کہ بیٹے اور نمائشیں مسرت و شادمانی کا مظہر ہوتی ہیں۔ اور محرم کا ہینہ نما

مسلمانوں کے لئے غم و اندوہ کا ہینہ ہوتا ہے۔ ایک سال پہلے میں نے کو دوبارہ پیش کرنے کا یہی ایک موقع رہ گیا تھا کیا ہے

انہوں سے کہ پچھلے ایک ہفتہ کے دوران یعنی مارچ تک کراچی ٹی وی سے کوئی ایسا پروگرام پیش نہیں کیا گیا جسے فنی اعتبار سے مثالی پروگرام کہا جاسکے۔

## بقیہ : مزدور عظیم ہے خدایا

ک۔ حالانکہ ڈپٹی کمشنر کراچی اور جوائنٹ سیکرٹری لیبر کراچی بھی اس معاہدے کے ایک ذریعہ تھے مگر شاہی اور اجارہ دار سرمایہ داروں کے اس عوام دشمن گٹھ جوڑ سے دلیکا کی انتظامیہ نے فائدہ اٹھایا۔ اور جب ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت بجلی بند کر کے کسی کھاتوں میں کام بند کر کے سیکڑوں محنت کشوں کو بے روزگار کر دیا تو تب بھی کراچی کی انتظامیہ اور محکمہ محنت نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

## محکم نے جلد ہی کمبو ڈیا پر حملہ کرنے کا وعدہ کیا

صفحہ ۲۲۵ سے آگے

برفست جون۔ وہاں سے صدر محکم واپس ہواں بار بار پاپ گئے۔ وہاں ۱۵ منٹ میں فائنل ہو کر سیکرٹری روزمرہ کی اپنی تقریر کھوانی جو دوسرے دن ٹی وی پر نشر کی جانے لگی تھی۔

۱۰۔ کچھ کم منٹ پر صدر محکم نے شکر کو بجا دیا کہ گنہ صدر کو اطلاع دی کہ مصوبہ کے مطابق جنرل قیام کی فوج نے امریکی فوج کے اشتراک سے پریٹ بیک پر حملہ کا آغاز کر دیا ہے لیکن سابق کان حکومت نے بھی ایک اس حملے کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا تھا اور جرمانہ طور پر خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ کنگر کو پریٹ بیک کی تفصیلات کا شدت سے انتظار تھا۔

۱۶۔ اپریل کو کنگر نے امیں ڈبیلوے گروپ کے ارکان نے تقریباً پینتالیس منٹ تک بات چیت کی۔ اس کے بعد بلکہ جھپٹا لیس منٹ پر صدر محکم سے ملاقات کی اور صدر کی ٹیلیوژن تقریر کے بارے میں غور و خوض کیا۔ ان کے بعد کنگر نے صدر کے ذاتی مشیر تھامس ڈیلوے کے ساتھ لہجے کیا۔ اسی اثنا میں کنگر کو سیٹنٹ ڈیلوے کے نمائندے رابرٹ گرین نے کمبو ڈیا پر جنوبی ویت نام کے حملہ کی اطلاع دی۔

قرارداد میں اس امر پر سخت حیرت کا اظہار کیا گیا کہ دلیکا ملز کی انتظامیہ نے یہ کہہ کر مزدوروں کو ڈیوٹی پر لہجے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کو راشن لار کی حالت سے سزا دی گئی تھی۔ کیا راشن لار کا سزا یافتہ پاکستان کی شہریت اور روزی کمانے کے حق سے محروم ہو جاتا ہے؟ یقیناً ایسا نہیں مگر دلیکا کی انتظامیہ نے معاہدہ شکنی اس پرانے سے کی اور کراچی کی انتظامیہ نے اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ پرائس اور ہنٹے محنت کشوں کو جانوروں کی طرح ذبح کو بک کیا اور جیلوں میں قتل کر دیا۔

قرارداد میں دلیکا ملز کے جیلے محنت کشوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انڈس ٹریس ایسوسی ایشن کی جانب سے جان و مال ہر طرح کی قربانی دینے کا عزم ظاہر کیا گیا۔ اور حکومت سے مزدوروں کی غیر مشروط رہائی معاہدے پر عمل درآمد کرانے اور دلیکا ملز کے مالکان پر قانون شکنی کے الزام میں مقدمات چلا کر سخت سزائیں دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

۶۔ بجکر ۱۰ منٹ پر کنگر اور ملہا میں ووٹ ہاؤس کے اعلیٰ عہدیداروں کو پریٹ بیک ایک اپریٹ سے آگاہ کیا۔ اس روز صدر محکم دن بھر صدارتی تقریر کی تیاری میں مشغول رہے۔

۷۔ بجکر ۱۵ منٹ پر صدر محکم نے کنگر سے ملاقات کی، اور تقریر کا متن دیکھا۔ اس کے بعد وہ اول آفس سے اٹھ کر ٹنگن سٹینک روم میں گئے۔ وہاں انہوں نے کچھ داخلی معاملات پر بات چیت کی۔ یہ بات چیت چار بج کر ۵۴ منٹ تک جاری رہی۔

۳۰۔ اپریل کو ۹ بجے صدر محکم اپنے دفتر میں گئے جہاں انہوں نے میڈیا امین اور کنگر سے باری باری ملاقات کی۔

صدر محکم نے ٹیلیوژن تقریر میں اپنے منصوبے کے مطابق امریکی عوام کو گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی اور کمبو ڈیا میں امریکی فوجی مداخلت کا افلاقی جواز پیش کیا مگر موجودہ صورت حال نے ثابت کر دیا کہ ملز کا افلاقی جواز سامراجی منصوبے کا ایک مذہم ہتھکنڈہ تھا جس کے ذریعہ امریکی عوام کے غلام و دنیا بھر کے امن پسند عوام کو فریب دینے کی ایک ناکام کوشش کی گئی تھی۔

